ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

لاہور میں خطبات خلافت

سامعین کی بڑی تعداد کی محویت دیدنی تھی

ڈھائی ڈھائی گھنٹے کے چار لیکچر

ہماری تباہی کے لئے سیاسی محاذ آرائی ہی کافی ہے

پشاور کے نشتر ہال میں خطبات خلافت

حافظ خورشید انجم

تقریباً ایک سال قبل ۱۷ دسمبر ۱۹۹۲ء کو انجمن خدام القرآن سرحد کی تاسیس ہوئی جس کے بعد انجمن نے قرآن فہمی اور قرآنی علوم کی نشرواشاعت کے لئے کئی پروگرام ترتیب دیئے۔ سال کے اختتام پر انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام خطبات خلافت کا پروگرام طے پایا۔ خطبات خلافت کا مقصد یہ تھا کہ قرآن انسان کو انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے جو نظام دیتا ہے' جس پر خلفائے راشدین نے عمل کرکے دکھایا اور جس کا نقشہ مسلمانوں کے اجتماعی تحت الشعور میں موجود ہے اس کی وضاحت کی جائے کیونکہ اس سسٹم کا نام نظام خلافت ہے۔ اسی کے لئے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نظام خلافت کی برکات خود مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہوتی گئیں اور اپنوں بیگانوں کی کوششوں سے ہم ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام کے لئے دوسروں کی طرف دیکھنے لگے اور نظام خلافت کو صرف کوڑے' سنگساری اور چند دوسری سزاؤں کا مجموعہ سمجھ لیا گیا۔ ان خطبات خلافت کا مقصد یہی تھا کہ مرور زمانہ کی دھول کو صاف کرکے نظام خلافت کی اصلی اور صحیح صورت لوگوں کے سامنے لائی جائے۔

اس پروگرام کے لئے مرکز کی جانب سے ۱۳ تا ۱۵ دسمبر کی تاریخیں دی گئیں۔ صدر انجمن خدام القرآن سرحد اقبال صافی صاحب' جناب میجر (ریٹائرڈ) فتح محمد صاحب ناظم حلقہ اور وارث خان صاحب ناظم تحریک خلافت سرحد کی نگرانی میں رفقاء و معاونین تحریک نے پروگرام کے لئے کام شروع کیا۔ خطبات خلافت کے لئے نشتر ہال کا انتخاب کیا گیا اور ہال کی انتظامیہ اور متعلقہ سرکاری محکموں سے بروقت اجازت نامہ حاصل کرلیا گیا۔ شہر' صدر اور یونیورسٹی کے تقریباً ہر علاقے میں پوسٹرز لگائے گئے' پشاور کے تمام بڑے چوکوں پر بڑے سائز کے بینرز لگائے گئے' شہر کے سنجیدہ و فہیم افراد میں کارڈز تقسیم کئے گئے اور پشاور کے دو کثیرالاشاعت اخبارات' روزنامہ مشرق (اردو) میں دو دن جبکہ انگریزی روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ میں ایک دن اشتہار بھی دیا گیا۔ ٹی وی سے اعلان نشر کیا گیا اور لاؤڈ سپیکر کے ذریعے بھی دو دن تک اعلان عام کیا گیا۔

امیر محترم وداعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد ۱۰ بجے کی پرواز سے پشاور پہنچے۔ ان کا قیام رورل اکیڈمی کے گیسٹ ہاؤس میں تھا۔ دوپہر کا کھانا صحافیوں کے ساتھ طے تھا جس کے لئے تمام اخبارات کے ایڈیٹروں اور بیورو چیف صاحبان سے ملاقات کرکے انہیں مدعو کیا گیا تھا مگر وعدہ کے باوجود صرف پی پی آئی اور "بشارت" کے نمائندے آئے جبکہ بقیہ حضرات بغیر کسی اطلاع کے غائب رہے۔ امیر محترم نے ایٹمی مسئلے کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کیا جس کو

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

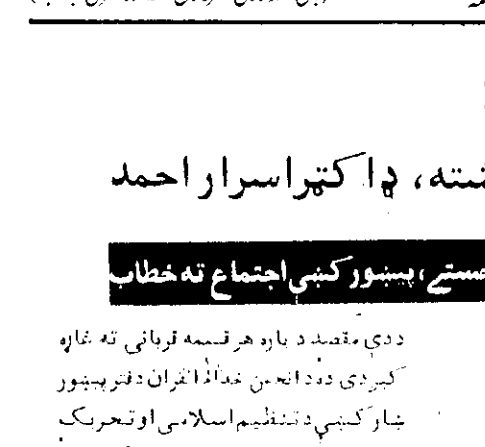

مقامی پشتو روزنامے میں خطبات خلافت کی خبر کا عکس

اسلام کښې جاګیرداری او سرمایه داری نشته، ډاکټر اسرار احمد

مونږ شپږ وخلوېښتو کالو کښې د اسلامي نظام په لور يو قدم هم نه دے اخستے، پېښور کښې اجتماع ته خطاب

پېښور (وحدت خبريال) د تحريک خلافت پاکستان مرکزی امير او د انجمن خدام القران صوبه سرحد سرپرست ډاکټر اسرار احمد وئيلي دي چې د پاکستان د قيام مقصد دا وو چې دلته به د اسلام سياسي معاشي او معاشرتي نظام قائموله شي خو افسوس چې د شپږ وخلوېښتو کالو تيريدو باوجود مونږ د اسلامي نظام د نفاذ لور ته يو قدم هم وانخستو او د انګريزي سامراجي نظام مو په ځان مسلط ساتلے دے. پېښور کښې د تحريک خلافت صوبه سرحد انتظام لاندې يوې اجتماع ته خپل خطاب کښې ده ووئيل چې په خلافت کښې به حاکميت صرف د الله تعالى وي او د شريعت له رويه به ټول خلق برابروي. ده زياته کړه چې په اسلامي خلافت کښې د ملک نظام په مشاورت چلولے او د يو ټاکلي وخت د پاره د خليفه انتخاب کيږي. ډاکټر اسرار احمد ووئيل چې د خلافت په نظام کښې ژوند سره د تړلو همه واړو امورو طريقه کار موجود دے او هر فرد د بل د حقوق احترام پابند دے. ده زياته کړه چې اسلام کښې زنانه وُته هم مکمل حقوق حاصل دي ده ووئيل چې اسلام کښې د سرمايه داری او جاګيرداری هيڅ ګنجائش نشته.

د تحريک خلافت ملګري دې دينی فرائضو ته چمتو شي: ډاکټر اسرار احمد

پېښور (وحدت خبر) د تحريک خلافت امير ډاکټر اسرار احمد وئيلي دي چې خپل دينی فرض وپېژندلو او تنظيم کښې ني ګډون وکړو نو هغوئ د پاره لازمه ده چې د دې مقصد د پاره هر قسمه قرباني ته تياره کړدي. ده د انجمن خدام القران د دفتر پېښور ښار کښې د تنظيم اسلامي او تحريک خلافت شريکي غونډې ته خطاب کولو. ده ملګروته په ټينګه ووئيل چې هغوئ دې دينی فرائضو ته ژوند وقف کړي. ده ووئيل چې الله تعالى هم د داسې خلقو ملاتړ کوي.

په ټول ملک کښې د پښتو ورمې ورځپانه

ABC CERTIFIED

THE DAILY WAHDAT PESHAWAR

ورځپانه وحدت پېښور

چيف ايډيټر: پير سفيد شاه همدرد

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد ۳ شمارہ ۲

۱۰/ جنوری ۱۹۹۴ء

1

مدیر

اقتدار احمد

معاون مدیر

حافظ عاکف سعید

S775O

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری

مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

○

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر

مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "

افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "

شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

افتتاحیہ

سود ایک کالا کھوں کے لئے مرگ مفاجات!

قائد حزب اختلاف، سابق وزیر اعظم جناب نواز شریف کے صنعتی اداروں کی طرف سے ایک پریس کانفرنس میں حکومت وقت پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ان کے "معاشی قتل" کی ایک موثر سازش تیار کی گئی ہے اور منصوبہ پر عملدرآمد کے پہلے مرحلے میں بینکوں کو خفیہ ہدایات جاری کی جاچکی ہیں کہ شریف خاندان کو قرضوں کے اجراء میں حتی الامکان رکاوٹ ڈالی جائے۔ اتفاق گروپ کے جنرل منیجر نے تفصیلات منظر عام پر لاتے ہوئے بتایا کہ میاں شریف اور ان کے صاحبزادگان کے چھ ٹیکسٹائل ملوں، پانچ بڑے بڑے شوگر ملوں، دو پیپر بورڈ ملوں اور لوہے کے تین کارخانوں کو ورکنگ کیپٹل کے طور پر مختلف بینکوں کی طرف سے ایک ارب ۷۸ کروڑ روپے کے قرضوں کی باضابطہ منظوری حاصل ہے۔ ان صنعتوں کو چلانے کے لئے نجی شعبہ کے بینکوں کی طرف سے بھی مزید قرضوں کی سہولت یقیناً میسر ہوگی کیونکہ جاری کردہ تفصیل میں ذکر صرف پبلک سیکٹر کے بینکوں اور مالیاتی اداروں کا آیا ہے۔ گویا اگر یہ سمجھا جائے کہ اتفاق گروپ اس مد میں قرض کے لگ بھگ تین ارب روپے استعمال کر رہا ہے تو اس میں زیادہ مبالغہ نہ ہوگا۔ نجی شعبے پر تو حکومت کا بس نہ چلا ہوگا لیکن سرکاری شعبے کی مالی معاونت ایک ارب ۷۸ کروڑ سے گھٹ کر صرف ۳۰ کروڑ روپے رہ گئی ہے جس کے نتیجے میں گروپ کے کارخانے ایک ایک کرکے بند ہونے پر آگئے ہیں حالانکہ وہ کبھی بینکوں کے نادہند نہیں رہے اور قرضوں کی واپسی کا ایک شاندار ریکارڈ رکھتے ہیں۔

یہ اگر انتقامی کارروائی ہے اور وجہ اس کی یہ نہیں کہ ان بینکوں کے پاس دینے کو پیسہ رہا ہی نہیں تو ہم بلا اونی تامل اس کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ اتفاق گروپ کے نقصان اور اس سے بھی بڑھ کر کارکنوں کی بے روزگاری اور عوام کے خزانے کی محصولات سے محرومی کی ذمہ داری اپنے سر لے کر بھی پیپلز پارٹی کی حکومت میاں نواز شریف کو جھکنے پر مجبور نہ کر سکے گی کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس سیاسی قدو قامت کو وہ پہنچ چکے ہیں وہ اب انہیں ذاتی مفاد کے لئے مصالحت کرنے میں آڑے آئے گا لیکن سودی معیشت کے جو پہلو اس تفصیل کے ذریعے سامنے آئے ہیں، انہیں نظر انداز کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں رہا اور اللہ شاہد ہے کہ یہ چند ادھوری باتیں لکھتے ہوئے شریف خاندان کا حوالہ صرف اس لئے آیا ہے کہ کسی اور نے اپنے متعلقہ اعداد و شمار جاری نہیں کئے ورنہ ہمیں خوب اندازہ ہے کہ تقریباً سب صنعتکار اور اکثر کاروباری اسی طرح کم و بیش سودی قرضوں کے بل پر دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

اتفاق گروپ کو ہمارے اندازے کے مطابق لگ بھگ تین ارب روپے کی مالیاتی معاونت تو صرف اپنی صنعتوں کو چلانے کی غرض سے حاصل ہے، ان کو لگانے کے لئے جتنے بڑے بڑے قرضے لئے گئے ہوں گے ان کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چار پانچ برسوں کے اندر اندر ایک کے بعد دوسرا کارخانہ بنتا چلا گیا اور شریف خاندان کو اندھی کمائی کا موقع ملا تو پہلا سوال تو یہی ہے کہ کیا اس طرح کے مواقع پاکستان کے شہریوں کو یکساں میسر ہیں؟۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم کے جوہر قابل کا بہت بڑا حصہ محض اس وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے کہ عام ہنرمندوں اور کاروبار کی صلاحیت رکھنے والے افراد کی اکثریت مالی وسائل سے محروم رہنے کی وجہ سے بس دل مسوس کر رہ جاتی ہے۔ اگر اس پیمانے کا مالیاتی تعاون ان میں سے اکثریت کو نہیں، اقلیت کو ہی میسر آجائے تو کیا سینکڑوں اور میاں شریف اس ملک میں پیدا نہیں ہوسکتے؟۔ آخر مخصوص خاندانوں کا وہ کون سا خصوصی استحقاق ہے جو ہماشما کی رسائی میں نہیں آتا؟۔

پھر بھاری شرح سود پر حاصل کئے گئے بینکوں کے قرضوں سے جو صنعتیں قائم ہوتی اور چلائی جاتی ہیں ان کی مصنوعات پر نفع در نفع کا اضافہ ہوش ربا مہنگائی کو جنم دیتا ہے کیونکہ سود کی رقم کو صنعتکار اشیاء پر اپنی لاگت میں خرچ کے طور پر ڈالتے ہیں، قرض کو سرمائے کا حصہ نہیں سمجھتے کہ نفع میں سے سود ادا کر دیا جائے۔ اس پر مستزاد یہ حقیقت کہ بینک جن رقموں پر بھاری شرح سود وصول کرتے ہیں وہ عام لوگوں کی بچتوں سے جمع ہوتی ہیں جنہیں نسبتاً بہت کم شرح سے "منافع" دے کر ٹرخا دیا جاتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں اتنا بھی نہیں ملتا جتنا مہنگائی اور افراط زر کے باعث اپنی قدر کھونے سے ان کی پس انداز کی ہوئی رقم سکڑ جاتی ہے۔

سودی مالیاتی نظام، معیشت میں جس طرح کے ظالمانہ استحصال کو رواج دیتا ہے اور جس نوع کی معاشی ناہمواری پیدا کرتا ہے، اس کی سنگینی کا احساس کسی ماہر اقتصادیات ہی کو ہو سکتا ہے تاہم آپ بھی یہ تو دیکھ ہی سکتے ہیں کہ اس میں فی الحقیقت ہوتا یہی ہے کہ "سود ایک کالا کھوں کے لئے مرگ مفاجات" ○○

5775
3 — ج

البرہان

سورۃ البقرہ
(آیت ۱۷۷)

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیکی یہی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی جانب پھیردو'

(عبادات کے ظواہر کو کل نیکی یا کل دین خیال کرنا حقیقت شناسی نہیں)

بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر' اور یوم آخر پر' اور فرشتوں پر' اور سب کتابوں پر' اور انبیاء پر'

(نیک عمل صرف وہی ہے جس کی بنیاد ایمانیات پر اٹھائی گئی ہو' ایمان کے بغیر' جس کے تمام اجزاء کی گنتی بھی کرادی گئی ہے' کوئی بھی عمل خواہ بظاہر وہ کتنا ہی بڑا نیکی کا کام نظر آئے' اللہ کے ہاں اس کا شمار نیک اعمال میں نہ ہوگا')

اور دیا اس نے مال' اس کی محبت کے باوصف' رشتہ داروں کو' اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور دست سوال دراز کرنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں'

(مال و دولت تو سب کی طرح نیک لوگوں کو بھی عزیز ہوتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود اسے ضرورت مندوں کی مدد میں خرچ کرتے ہیں..... گردن چھڑانا اگلے وقتوں میں غلام کو آزادی دلانا تھا اور اس سے مراد کسی ضرورت مند یا مقروض کی اس درجہ حاجت روائی ہے کہ وہ اپنی مشکل سے پوری طرح آزاد ہو جائے')

اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ

(اگرچہ نیکی کی بحث میں ابناء نوع کی ہمدردی میں مال خرچ کرسکنے کو دیگر تمام اعمال پر اولیت حاصل ہے' لیکن نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور ان کے بغیر نیکی کا تصور یا پیکر نامکمل رہتا ہے')

اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے' جب باہم معاہدہ کریں'

(کہ عہد کو پورا کرنا فطرت انسانی کی ایک اعلیٰ قدر اور بلند کرداری کی علامت ہے' نیکی کا خاکہ اس وصف کے بغیر کیونکر مکمل ہو سکتا ہے')

اور خصوصاً صبر کرنے والے سختی میں' اور تکلیف میں اور حالت جنگ میں'

(کلمہ حق کہنے کی پاداش میں خواہ فاقے کی سختی آئے' جسمانی اذیت پہنچائی جائے یا جنگ کی نوبت آجائے' ان کی جانب سے صبر و استقامت ہی کا مظاہرہ ہوگا')

یہ ہیں وہ لوگ جو سچے ہیں اور یہی ہیں پرہیزگار ○

(کہ ان اوصاف کے بغیر بھی کوئی شخص بزعم خویش نیک اور متقی ہے تو یہ محض اس کی خام خیالی اور نادانی ہے' قرآن کی اصطلاح میں تو نیک صرف وہی ہیں جو مذکورہ بالا صفات سے متصف ہیں۔)

ہماری تباہی کے لئے سیاسی محاذ آرائی ہی کافی ہے

امریکہ کا مقابلہ کس طرح ہو گا؟

نیشنل گورنمنٹ کے لئے ایک نیا فارمولا

عبدالکریم عابد

پاکستان کے مقتدر طبقہ میں امریکہ کے بارے میں یہ خوش گمانی پیدا ہو گئی تھی کہ امریکہ ہماری اقتصادی فوجی امداد بحال کر دے گا' اسلحہ اور فاضل پرزوں کے حصول میں رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی' مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے بھارت پر دباؤ ڈالا جائے گا اور ایٹمی معاملہ میں بھارت اور پاکستان کو ایک درجہ میں رکھ کر نیا رویہ اختیار کیا جائے گا تاکہ ساری زد ہم پر نہ رہے بھارت بھی گرفت میں آ سکے لیکن اس امید کے بعد اب پھر مایوسی پیدا ہو رہی ہے۔ حکمران خود کہنے لگے ہیں کہ کشمیر پر ہم مذاکرات کر تو رہے ہیں مگر اس کا کچھ نتیجہ نکلنے کی امید نہیں ہے اور پریسلر ترمیم کا خاتمہ ہوتا ہے تو بھی امریکہ ایٹمی قربانی کے بغیر ہم سے راضی نہیں ہو گا اس لئے حالت تشویش میں ہم چین اور شمالی کوریا سے اپنی دوستی بڑھا رہے ہیں۔ ایران سے مزید قربت پیدا کر رہے ہیں مگر امریکہ مطمئن ہے کہ پاکستان بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتا اس کی تمام دکھتی رگیں ہمارے ہاتھ میں ہیں اور آخر کار پاکستانی ارباب اقتدار کو وہی کچھ کرنا ہو گا جو ہم کر رہے ہیں۔

ان گھمبیر حالات میں ملک کو ایک قابل وزیر خارجہ کی ضرورت تھی' امریکہ میں سفیر بھی بہت جہاں دیدہ اور منجھا ہوا سفارت کار ہونا چاہئے تھا لیکن سردار آصف علی اور ملیحہ لودھی دونوں اس معیار پر پورے نہیں اترتے اور پوری سول حکومت میں بے نظیر صاحبہ کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں ہے جو امریکہ سے کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت رکھتی ہو اور وہ خود بدقسمتی سے سخت داخلی دباؤ میں ہیں۔ ان کا انحصار فاٹا کے اراکین' آزاد ممبران' اقلیتی نمائندوں اور جونیجو لیگ کے لوٹوں پر ہے۔ سندھ میں ایم کیو ایم کی آفت کم نہیں تھی کہ اب ماں بیٹی اور بہن بھائی کے جھگڑے نے مار دھاڑ کا نیا منظر پیدا کیا ہے۔ سرحد اور بلوچستان باپ کے قابو میں نہیں آئے تھے تو اب بیٹی ناکافی اکثریت کے ساتھ ان صوبوں پر کس طرح قابو پا سکتی ہے۔

اس داخلی صورت حال نے ان کے بیرونی امیج کو بھی متاثر کیا ہے۔ اگرچہ پاکستانی فوجی قیادت اور امریکہ دونوں نے یہ توقع کی تھی کہ بے نظیر کی آمد سے پاک امریکی تعلقات کی گتھیاں سلجھائی جائیں گی اور اب تک اس توقع نے مکمل طور پر دم نہیں توڑا ہے مگر امیدوں کے چراغوں میں پہلے کی طرح روشنی نہیں ہے۔ ان حالات میں حزب اختلاف کو انتظار ہے کہ پاک امریکہ تعلقات کی بیل منڈھے نہیں چڑھتی ہے تو بے نظیر کو لانے والے خود ہی اس کو نکالنے کے لئے چابک دستی کا مظاہرہ کریں گے کہ امریکی دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لئے نسوانی قیادت بہر طور کار آمد نہیں ہے۔ بے نظیر اگر امریکہ کو رام نہیں کر سکتی ہیں تو پھر ان کا وجود کسی اور کام کا نہیں اور انہیں چھٹی دے کر نیا سیاسی انتظام کرنا چاہئے۔

جو لوگ اس انداز سے سوچ رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ ۹۳ء امریکہ سے امید کا سال تھا' ۹۴ء امریکہ سے ناامیدی کا سال ہو گا اور اس کے ساتھ ہی نئی سیاسی الٹ پلٹ لازماً ہو گی۔ یہ پیش گوئی بھی ہے کہ اس الٹ پلٹ کا پہلا منظر مارچ میں دیکھا جا سکے گا اور مارچ ہی میں ڈبل مارچ کے لئے بگل بجا دئے جائیں گے۔ اس سارے پس منظر میں اب نواز لیگ بھی انقلابی جماعت ہو گئی ہے' دینی جماعتوں نے پہلے ہی امریکہ کے خلاف علم جہاد اٹھا رکھا ہے۔ ویسے بھی خیال کیا جاتا ہے کہ سیاست چمکانے کا آسان نسخہ امریکہ کو گالی دینا ہے۔ اس میں ہلدی لگتی ہے نہ پھٹکری' رنگ چوکھا آتا ہے۔ گو کہ قاضی حسین احمد کے اسلامک فرنٹ کے تجربے نے اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے مگر نواز لیگ میں امریکہ کے خلاف کارتوس کو اب بھی کار آمد خیال کیا جاتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ امریکہ سے مقابلہ کون کرے گا؟۔ کس نے اس کے لئے تیاری کی ہے؟ اور کس کے پاس امریکہ سے ٹکرانے کے لئے جذبہ صادق موجود ہے؟ جہاں تک فوجی قیادت کا تعلق ہے' اس نے صاف ظاہر کر دیا ہے کہ وہ نیو ورلڈ آرڈر میں امریکہ کی حلیف بننے کی متمنی ہے' حریف وہ کبھی نہیں تھی اور آئندہ بھی امریکہ کا حریف بننے کا ارادہ وہ بالکل نہیں رکھتی۔ اس کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ فوجی تنظیم اور طاقت کو برقرار رہنے دیا جائے اور پاکستان کو بھارت کے آگے تر نوالہ بنا کر نہ رکھا جائے۔ اگر یہ ہوتا ہے تو امریکہ سے الجھنے اور لڑنے کے چکر میں پڑنے کے لئے ارباب اقتدار تیار نہیں اور امریکہ بھی دھکیل کر اس فوج کو حریف بننے کی جانب نہیں لے

جانا چاہتا۔ وہ ان کی تسلی تشفی اور ان کے آنسو پونچھنے کے لئے تھوڑا بہت کرنے پر آمادہ ہے مگر ایک تو پاکستان کی اینٹی طاقت اسے قطعی منظور نہیں اور دوسرا یہ ہے کہ بھارت کے ساتھ پاکستان کو تعلقات لازماً بہتر کرنے ہوں گے اور بھارت کو تجارتی گزر گاہ کے طور پر پاکستان کو استعمال کرنے کا حق بھی دینا ہوگا۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان توقعات کے ہوتے ہوئے امریکہ کس حد تک پاکستان کی رو رعایت کرتا ہے اور پاکستانی فوجی قیادت کہاں تک امریکی مطالبات کو پذیرائی بخشتی ہے۔ متذکرہ دونوں ایک معقول حد دریافت کرنے اور اسے اپنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو بے نظیر حکومت کی پشت پناہی قائم رہے گی اور یہ چلتی رہے گی بصورت دیگر قوم پرستی کے جذبات گرم ہوں گے اور ان کی گرمی سے پاکستان کا ایک نیا انقلاب پیدا ہوگا۔ مگر اس انقلاب کی نوعیت کیا ہوگی؟۔

ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ فوجی قیادت زمام کار اپنے ہاتھ میں لے اور داخلی و بیرونی' ہر دو محاذوں پر فیصلہ کن طاقت صرف وہی ہو اور اس مشکل میں جمہوریت اور سول حکومت کے متعلق فرمان جاری کرے کہ یہ عیاشی بہت ہو چکی' اب اس کی مزید گنجائش نہیں ہے اور عوامی حمایت حاصل کرنے کے لئے سیاست دانوں کی بد عنوانی کا بلا امتیاز احتساب ہو۔ ان سے دولت اگلوا کر سرکاری خزانہ میں داخل کی جائے اور افسروں کی بھی پکڑ دھکڑ ہو اور "اصلاحات" کا نیا سلسلہ شروع کر کے لوگوں کی داد و تحسین حاصل کی جائے۔ عوامی سطح پر بھارت اور امریکہ کے خلاف غیض و غضب کے بند خانوں کو حرکت دی جائے اور بھارت سے جنگ کی تباہ کاریوں کے خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی تیار رہا جائے۔ اس طرح کی پالیسی بظاہر بہت جرات مندانہ معلوم ہوگی مگر یہ ایک اقدام خودکشی بھی ہو سکتا ہے۔

بھارت پہلے ہی انتظار میں ہے کہ امریکہ کی آشیرباد ملے تو اپنا کام دکھائے اور امریکہ ظاہر ہے کہ پاکستان کو ہاتھ سے جاتا دیکھے گا تو بھارت کو ضرور اشارہ کر دے گا۔ داخلی طور پر بھی وہ علیحدگی اور محاذ آرائی کی قوتوں کو کہے گا کہ اپنا کھیل شروع کر لیں اور فوجی حکومت خواہ کتنی ہی سخت گیر اور مضبوط گرفت کی حکومت ہو پھر بھی اس راستے پر چل کر وہ ایک جوا کھیلے گی اور اس جوئے میں ہارنے کے بعد نہ صرف بر صغیر بلکہ عالم اسلام میں بھی کچھ نہیں بچے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فوجی قیادت کٹھ پتلی سیاستدانوں اور جماعتوں کا سہارا لے۔ کچھ جماعتیں صحیح و سالم اور کچھ کے حصے بخرے اور ٹکڑے دستیاب ہوں گے' ان کے ذریعہ ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کر کے اپنے اقتدار کے لئے ایک پردہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں صاف سیدھے مارشل لاء کی ضرورت نہیں ہوگی اور سیاسی کٹھ پتلیوں سے کام چلانے کی کوشش ہوگی مگر کٹھ پتلیوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کا ضمیر نہیں ہوتا' ضروری نہیں کہ وہ آپ ہی کے کٹھ پتلی رہیں۔ ڈبل ایجنٹ کا کردار بھی اپنا سکتے ہیں اور وقت پر غداری کر سکتے ہیں۔ کٹھ پتلیاں بہت وفادار اور کفایت شعار رہیں تب بھی ان کا فائدہ کچھ نہیں۔ یہ مسائل کے حل کے لئے کوئی مدد فراہم نہیں کریں گی۔ نہ ان کے پاس ذہانت ہوگی' نہ جرات اور نہ ضمیر' اور یہ ایک بوجھ ہی ہوں گے اور ممکن ہے کہ یہ بوجھ ہمارے ڈوب جانے کا سبب بن جائے۔ اس لئے کٹھ پتلیوں کے تجربے سے تو بہتر ہے کہ صاف سیدھا فوجی حکمرانی کو اختیار کر لیا جائے کیونکہ کٹھ پتلیوں کی حکومت بین الاقوامی طور پر بھی دھوکہ کی ایک واردات سمجھی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے فوجی قیادت ملک کو محاذ آرائی کے شر سے نجات دلائے۔ اب تک ہمارے جنرلوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ "ڈراؤ اور حکومت کرو" والا معاملہ تھا۔ اس پالیسی کے تحت ہر طرح کی محاذ آرائیوں کو ہوا دی گئی' ایک کے مقابلے میں دوسرے کو کھڑا کیا گیا' خفیہ ایجنسیوں کا یہ بڑا کارنامہ سمجھا گیا کہ وہ ایک پارٹی کا زور توڑنے کے لئے دوسری پارٹی کو میدان میں لاتی رہی اور مارشل لاء کے اقتدار کے تحفظ کے لئے لسانی اور فرقہ وارانہ عناصر کو کھل کھیلنے کا موقع دیا گیا تاکہ قومی جماعتوں کو کمزور کریں اور عوام منتشر حالت میں رہیں۔

اس کے بعد جب جمہوری دور کا آغاز کیا گیا تو اس میں بھی اصلیت نہیں تھی۔ پہلے بے نظیر کو لایا گیا پھر نکالا گیا۔ نواز شریف کو اوپر اٹھایا گیا' جب بہت اوپر پہنچ گئے تو انہیں نیچے گرانا ضروری سمجھا گیا اور بے نظیر کو پھر لایا گیا۔ اب نواز شریف ان کی ٹانگ کھینچنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ اس محاذ آرائی کے ماحول میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کسی کو ملک اور قوم کی فکر نہیں ہے' سب اپنی جنگ اقتدار میں لگے ہیں اور اس صورت حال کی موجودگی میں نہ کوئی قومی پالیسی بن سکتی ہے' نہ ایسا لائحہ عمل وضع ہو سکتا ہے جو اختیار کیا جا سکے۔ اگر فوجی قیادت کا یہ خیال ہے کہ وہ سیاست دانوں کی چھٹی کرانے کے بعد خود حالات سنبھال سکتی ہے تو یہ ایک غلط خیال ہے اور پچھلے تجربات اس کی دلیل ہیں کہ فوجی جنرل خواہ کتنے ہی لائق اور محب وطن ہوں مگر وہ سیاسی میدان میں پھسڈی ہیں اور جو کام ان کا نہیں ہے وہ اسے اپنے ہاتھ میں لیں گے تو قوم کے لئے ذلت اور شکست کا سامان پیدا کریں گے۔

یہ صحیح ہے کہ فوجی قیادت کو چپہ چپہ کی سیاسی خبر ہوتی ہے۔ ان کے سامنے پورا نقشہ ہوتا ہے' معلومات کا ایک انبار وہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ بہ ایں ہمہ سیاسی سوچ اور عمل کا مظاہرہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے قومی اور بین الاقوامی سیاست میں جو کام سیاست دانوں کے کرنے کے ہیں وہ فوجی قائدین اپنے ذمہ نہ لیں۔ ان کی قومی خدمت یہی ہے کہ وہ سیاست دانوں میں باہمی مفاہمت کے لئے کردار ادا کریں اور موجودہ پیچیدہ حالات کی گرہ کشائی کے لئے ان سیاست دانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں جو حقیقی سیاست دان ہوں اور جن کی عوام میں جڑیں ہوں۔ نام نہاد اور جعلی سیاست دانوں کو طرح طرح کی جمعیت کے ناموں سے اصل سیاستدانوں کے توڑ کے لئے کھڑا کرنا لاحاصل ہے۔

جو لوگ قوم کے واقعی نمائندے ہیں اور جو اپنا سیاسی تنظیمی وجود رکھتے ہیں' ان کو جمع کر کے انہیں اختیار دیا جانا چاہئے کہ وہ ایک پالیسی بنائیں۔ اس سلسلہ میں نیشنل گورنمنٹ بھی تشکیل دی جا سکتی ہے اور محاذ آرائی ختم کرنے کے لئے ایک اچھی تدبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نیشنل گورنمنٹ میں نواز شریف اور بے نظیر دونوں میں سے کوئی شامل نہ ہو بلکہ لائق اور دیانتدار افراد کو نامزد کیا جائے جو ایک دوسرے کے ساتھ ہم قدم ہو کر چل سکتے ہوں۔ یہ نیشنل گورنمنٹ دوسرے اکابرین سیات سے رہنمائی حاصل کرے اور اپنی بین الاقوامی روش کا تعین کرے جس میں جوش اور ہوش دونوں کا امتزاج ہو اور جب قوم ایک پالیسی کی پشت پر ہوگی تو بیرونی ملکوں میں بھی اس کا رائے عامہ پر اثر ہوگا۔

مگر شرط یہی ہے کہ پہلے ملک کو محاذ آرائی کے شیطانی چکر سے نکالا جائے ورنہ شیطان کی اس چابک دستی کی موجودگی میں ہمیں تباہ کرنے کے لئے نہ امریکہ کی ضرورت ہے نہ بھارت کی۔ پہلے بھی ہم اپنی تاریخ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

THE ROLE OF JUDICIARY AND THE OBJECTIVES RESOLUTION

سردار شیر عالم خاں ایڈووکیٹ

قرارداد مقاصد اور عدلیہ کا کردار

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

حاکم خان کیس جیسے معاملے میں ہماری عدلیہ کو کیا کردار ادا کرنا چاہئے اور اسے کہاں تک اس کے اختیارات حاصل ہیں؟ یہ جاننے کے لئے ہمیں عدالتی نظام کے قدیم اور جدید دونوں نظریات کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور اس کے بعد یہ جائزہ لینا ہوگا کہ اس میں خرابی کی اصل وجہ کیا ہے۔

جہاں تک قدیم برطانوی روایات کا تعلق ہے۔ سسرو اور چیف جسٹس لارڈ کوک کا نکتہ نگاہ قابل ذکر ہے۔ چنانچہ سسرو کے نزدیک قانون فطرت کے خلاف بنائے گئے کسی بھی قانون کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا ایسے قانون کا بیک جنبش قلم مسترد کیا جانا ہی مناسب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ایسے قوانین تو چور اور ڈاکو ہی بنا سکتے ہیں جن سے چوری، جعل سازی اور بدکاری جیسے افعال بد کی حوصلہ افزائی ہو"۔ چیف جسٹس لارڈ کوک نے ۱۶۱۰ء میں ڈاکٹر بونہم کیس میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ عدالت کسی ایسے قانون کو تسلیم نہیں کر سکتی جس سے عوام کے حقوق کی نفی ہوتی ہو یا اس کے لئے کوئی معقول دلیل موجود نہ ہو۔ اسی طرح ایسے قوانین بھی رد کر دیئے جانے چاہیں جو قبولیت نہ حاصل کرتے ہوں یا اس قدر پیچیدہ ہوں کہ ان پر عمل در آمد ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ جائے۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ کی حاکمیت کے کٹر حامی بلیک سٹون جیسے شخص کو بھی کہنا پڑا کہ پارلیمنٹ قانون قدرت سے متصادم یا غیر منطقی قانون سازی نہیں کر سکتی۔

اگرچہ اس کے بعد برطانیہ میں یہ روایات زیادہ مضبوطی سے قائم نہ رہ سکیں اور ڈائسی کے پارلیمنٹ کی بالادستی کے نظریئے کو تقویت حاصل ہوئی لیکن حق و انصاف کی بالادستی کا تصور کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ برقرار رہا۔ چنانچہ ایچ۔ جے۔ لاسکی جیسا واقعیت پسند اور کٹر سوشلسٹ اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ "سچ بات یہ ہے کہ ہم فطرت کے آگے بند باندھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر زندگی کو مزید پراگندگی سے محفوظ رکھنا ہے تو کسی حد تک فطری قوانین کی پیروی کئے بغیر چارہ نہیں" اور ایڈورڈ ایس کارون کے نزدیک آئین کی حکمرانی کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ طبعی قوانین، قانون قدرت کے تابع ہیں۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ ایک وفاقی طرز حکومت میں عدلیہ کا کردار اور فرض منصبی کس طور سے معین ہوتا ہے۔ وفاقی حکومت کے ذیل میں جو اختیارات آتے ہیں وہ وفاق کے تین اہم ترین شعبوں میں متوازن طور پر تقسیم ہوتے ہیں اور یہ شعبے اپنے اپنے معین دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے ایک دوسرے پر نگاہ رکھتے ہیں کہ کہیں مقررہ حد سے تجاوز تو نہیں ہو رہا۔ اسی لئے ای۔ وی۔ ڈیسی وفاقیت کو قانونیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ وفاقی حکومت میں کسی ایک ادارے یا خود ریاست کے پاس بھی غیر محدود اور بلا شرکت غیرے اختیارات نہیں ہوتے۔ پارلیمنٹ یا دوسرے کسی ادارے کا کوئی حکم اسی صورت میں قانون کا درجہ حاصل کرتا ہے جب اس حکم کو قانونی جواز حاصل ہو۔ یعنی آئین کا اطلاق اسی طور پر ہوگا جس طور پر عدلیہ اس کی تشریح کرے گی۔ گویا جبرو استبداد کے خاتمے میں سب سے نمایاں کردار عدلیہ کا ہے۔

عدلیہ اس مقصد کے حصول میں نہایت گہرائی میں جاکر قوم کی اصل سوچ پر گرفت حاصل کرتی ہے اور اسے قومی رویئے میں ڈھالنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ یعنی الیگزنڈر بکل کے الفاظ میں جج کسی قوم کی بنیادی اقدار کو زبان دیتے ہیں اور ان کی نگہداشت کرتے ہیں۔ جیسا کہ چیف جسٹس ارل وارن کے دور میں ہم دیکھتے ہیں، قومی پالیسیاں عدالتوں کے ذریعے تشکیل پائیں اور عدالتیں رائے عامہ کی تربیت کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عدالتیں قوم کی مزاج شناس اور مزاج ساز ہوتی ہیں اور ایک ایسے نظام حکومت کے قیام کے لئے راہ ہموار کرتی ہیں جو بلند ترین نصب العین کی جانب لے جانے والا ہو۔

جہاں تک اختیارات کا معاملہ ہے چیف جسٹس مارشل کے ایک فیصلہ کی رو سے، جس کی توثیق بعد ازاں ۱۹۵۸ء میں بھی ہوئی، آئین کی تشریح کرنے میں عدلیہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ پارلیمنٹ اگرچہ آئین میں ترمیم کر کے عدالتی فیصلہ کو غیر موثر بنا سکتی ہے مگر جو ترمیم کی جائیگی اس کی تشریح بھی تو عدالت ہی کرے گی۔ پھر قانون سازی کے لئے جتنا وقت درکار ہوتا ہے اس سے بہت کم وقت میں عدالت فیصلہ دے سکتی ہے۔ یعنی "سام ارون" کے کہنے کے مطابق "آپ اتنی جلد آئین میں ترمیم نہیں کر سکتے کہ عدلیہ کو بے بس کر دیں"۔ جے۔ ایلن سمتھ نے اس کو یوں بیان کیا ہے "سپریم کورٹ آئین کے ماتحت ہوتی ہے مگر عملاً وہ آئین کو کنٹرول کرتی ہے۔ آئین کی تشریح کا مکمل اختیار حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عدلیہ آئین میں تبدیلی لا سکتی ہے"۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سپریم کورٹ کا صادر کردہ فیصلہ ہی در حقیقت قانون ہے۔ اسی اصول کے تحت امریکی ماہرین قانون نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قانون براہ راست عدالت کے فیصلہ سے وجود میں آتا ہے، نہ کہ حکومت کے احکامات سے۔ چنانچہ مقننہ کا منظور کردہ قانون در اصل قانون کا ماخذ یا اس کے لئے مواد کا کام دیتا ہے۔ قانون ان قواعد و ضوابط کا نام ہے جن کے تحت عدالت فیصلہ کرتی ہے اور وہ اسے نافذ کرتی ہے۔ اب اگر کسی ملک کی اعلیٰ عدالتیں ہی ان اقدار اور بنیادی اصولوں کی پاسداری سے قاصر رہیں جو کسی قوم کے لئے جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہوں تو ملک اور قوم کا جو حشر ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ ریاست کے دوسرے کسی عنصر میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو عدالتوں کے ذریعے ازالہ ہو سکتا ہے مگر عدلیہ میں جو کمزوری

واقع ہوگی اس کی تلافی تو شاید ہی ہو سکے۔

اگرچہ ہماری اعلیٰ عدالتوں نے ہمیشہ یہ تسلیم کیا ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے مگر اس کا جو لازمی نتیجہ سامنے آنا چاہئے تھا وہ مفقود نظر آتا ہے۔ اور اس کی جو سب سے بڑی وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ برعظیم میں برطانوی سامراج اپنے طویل دور حکومت کے نتیجے میں ایک ایسا نظام اپنے پیچھے چھوڑ گیا جس میں صرف محکوم ذہن پرورش پا سکتا ہے لیکن ہم نے اسے جوں کا توں گلے سے لگا رکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں پوری قومی زندگی تضادات کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔ کسی نظریاتی خاص کر اسلامی ریاست کے جو تقاضے ہو سکتے ہیں انہیں پوری ذہنی آہنگی کے ساتھ قبول کرنے کے بعد ہی آرٹیکل دو الف کا دائرہ کار اور اصل مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آرٹیکل دو الف کے ضمن میں عدالتی کارروائی تذبذب کی شکار نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ سپریم کوٹ اپنے اس موقف پر ہمیشہ قائم رہی ہے کہ قرارداد مقاصد سے نظریہ پاکستان کے نہایت بنیادی اصول اور معیارات طے پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ضیاء الرحمٰن کیس میں اپنے فیصلہ کے باوجود یہ موقف تبدیل نہیں کیا۔ مگر ساتھ ہی دوسری طرف اس کے بالکل برعکس ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ عام حالات میں بھی غیر معمولی طور پر قانونیت کا اطلاق کیا گیا۔ مثلاً دوسا کیس میں Hans Kalsen نظریہ' سیف اللہ کیس میں قومی مفاد اور نصرت بھٹو کیس میں نظریہ ضرورت۔ خاص کر موخرالذکر کیس میں عدالت پر "ضرورت" کا دباؤ اس قدر تھا کہ صرف ایک شخص' چیف آف آرمی سٹاف کو' جس نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ بھی سنبھال رکھا تھا آئین میں ترمیم کا غیر مشروط اختیار دے دیا گیا۔ حالانکہ الیکشن کرانے میں کسی قسم کی آئینی ترمیم ضروری نہ تھی۔ اسی طرح بالکل حال ہی میں قزلباش وقف کیس کے فیصلہ سے عدالتی اختیارات پر بری طرح زد پڑی ہے۔

آرٹیکل دو الف کے یہ الفاظ کہ "اس کے مطابق عمل در آمد کیا جائیگا" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ ظاہر ہے ان الفاظ کی مخاطب عدلیہ ہے نہ کہ پارلیمنٹ۔ پارلیمنٹ تو ایک دفعہ منظوری دینے کے بعد اس میں ترمیم کر سکتی ہے یا پھر منسوخ کر سکتی ہے۔ اسے قانونی شکل بہرحال عدالتی فیصلے سے مل سکتی ہے۔ سپریم کورٹ نے اس کے خلاف جو اسباب تحریر کئے ہیں وہ اللہ کے اس حکم کے مقابلے میں پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے کہ جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے' وہی تو کافر ہیں --- وہی تو فاسق ہیں ---- وہی تو ظالم ہیں۔ آئین میں اللہ تعالیٰ کو حاکم مطلق تسلیم کیا گیا ہے اور ریاستی امور میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے اس کے بعد تو وہی معاملہ ہے جو جسٹس ہارلان سٹون کہتے ہیں کہ "اختیارات کے استعمال میں ہم خود ہی اپنا محاسبہ کر سکتے ہیں۔"

حاکم خان کیس میں فیصلہ سے جو غیر یقینی صورت حال پیدا ہوئی ہے اس کا دور کیا جانا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ عدلیہ کا کام ہے کہ اگر آئین میں تضادات موجود ہیں تو انہیں دور کرے۔ جیسا کہ اس سے قبل گزشتہ شمارے میں وضاحت سے یہ عرض کیا جا چکا ہے' آئین میں اگر ایک ہی طرح کی دو یا اس سے زائد شقیں موجود ہوں تو چونکہ وہ سب ایک ساتھ ایک ہی وقت میں لاگو نہیں کی جا سکتیں لہٰذا یہ عدالت ہی طے کر سکتی ہے کہ کن حالات میں کس شق کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔

سپریم کورٹ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ قرارداد مقاصد کی رو سے اختیارات کی حامل ریاست ہے۔ مگر ریاست سے کیا صرف پارلیمنٹ مراد ہے؟ آئین میں ریاست کی کوئی معین اور جامع تعریف موجود نہیں ہے کیونکہ آئین کے آرٹیکل ۷ میں ریاست کی جو تعریف کی گئی ہے وہ صرف آئین کے اس حصہ سے متعلق ہے جس میں بنیادی حقوق اور پالیسی اصول بیان ہوئے ہیں۔ آرٹیکل ۷ میں درج ان الفاظ سے کہ "ماسوائے اس کے کہ سیاق و سباق سے ایسا ظاہر نہ ہو۔" ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کی تعریف ہر معاملے کی نوعیت اور تفصیلات کے مطابق معین ہوگی۔ کسی بھی قانونی اور حکومتی نظام میں خاص طور پر وفاقی طرز حکومت میں ریاست کا ڈھانچہ تین اہم ستونوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی عدلیہ' انتظامیہ اور مقننہ۔ یہ تینوں عضو بالکل برابر اور ہم پلہ ہوتے ہیں۔ سپریم کوٹ کا اپنا فیصلہ بھی یہی ہے کہ عدلیہ ریاست کا تیسرا اہم ستون ہے۔ ان تینوں میں اسمبلیاں انتخابات کے ذریعے وجود میں آتی ہیں جبکہ باقی دونوں ادارے آئین کے ذریعے قائم ہوتے ہیں مگر اس کا تعلق صرف طریقہ کار کی حد تک ہے کہ کوئی ادارہ کس طرح وجود میں آتا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے تینوں ادارے ناگزیر ہیں اور الگ الگ بلا روک ٹوک اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ تینوں مل کر "ریاست" بنتے ہیں۔

اسلام کی رو سے ریاست کی بنیادی ذمہ داری قرآن و سنت کی بالادستی بالفعل قائم کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں سب سے زیادہ ذمہ داری عدلیہ پر عائد ہوتی ہے جو یہ طے کرتی ہے کہ کیا شے قرآن و سنت کے دائرہ کے اندر ہے اور کیا اس کے باہر محض قانون ساز ادارے کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قائم مقام تصور کر لینا ہر لحاظ سے ناقابل فہم ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر قانون ساز ادارہ اپنے بنائے ہوئے آئین کے تحت عدلیہ کو اختیار دے سکتی ہے کہ وہ اس بات پر نگاہ رکھے کہ کہیں آئین کی خلافت ورزی تو نہیں ہو رہی' تو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکامات کی خلاف ورزی کے بارے میں عدلیہ کو یہ اختیار کریں حاصل نہیں ہو سکتا۔

حاکم خان کیس میں سپریم کورٹ نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر آرٹیکل دو الف کو دوسرے تمام آرٹیکلز پر فوقیت دی گئی تو پورا دستور متنازعہ بن جائے گا اور دوبارہ تحریر کرنا پڑے گا۔ حالانکہ قرارداد مقاصد' جو آرٹیکل دو الف کے ذریعے آئین کا حصہ بنائی گئی ہے' تمام آئینی تقاضے پورے کرتی ہے اور اس کے متن کے اندر ساری آئینی جزیات موجود ہیں۔ جناب جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب کا اپنا ایک مضمون "اسلامی ریاست کا تصور" ان سارے شکوک و شبہات کی نفی کرتا ہے جن کا اظہار اس فیصلے میں کیا گیا ہے۔

ایک دوسری وجہ جو سپریم کورٹ کے فیصلہ میں تحریر کی گئی ہے یہ ہے کہ آئین کے آرٹیکل دو الف کی رو سے جن احکامات کا نفاذ مطلوب ہے وہ غیر واضح اور عمومی نوعیت کے ہیں' اس لئے ان کی ایک سے زائد تشریحات اور توضیحات کی جا سکتی ہیں جس سے آئین عدم استحکام کا شکار ہو جائیگا۔ لہٰذا عدالت کی رو سے اس قسم کے سیاسی اور معاشی مسائل پر سرسری کارروائی کی بجائے پارلیمنٹ کے زیر نگرانی اسلامی نظریاتی کونسل اور اسلامی تحقیقاتی ادارے جیسی کسی جگہ پر غور و خوض ہونا چاہئے جہاں اسلامی امور سے متعلقہ امور پر ماہرین کی خدمات فراہم ہیں۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ آرٹیکل دو الف کے نفاذ سے ایسی باتوں کا کیا تعلق ہے۔ جبکہ آئین کے آرٹیکل ۲۰۳ ڈی' بشمول ۲۰۳ سی کے تحت ایسے تمام امور عدلیہ کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ جن سیاسی اور

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

لاہور میں چار روزہ خطبات خلافت

نثار احمد ملک

سامعین کا ذوق و شوق دیدنی تھا

داعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد نے موضوع کا حق ادا کر دیا

تحریک خلافت پاکستان اپنے نہایت محدود وسائل کے ساتھ ملک بھر میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی یا آسان الفاظ میں "نظام خلافت" کی برکات' نظام خلافت کی ہیئت اجتماعی کے تفصیلی ڈھانچے کے متعلق عامتہ الناس کو آگاہ کرنے کے لئے مختلف سطح کے پروگرام مسلسل جاری رکھے ہوئے ہے۔

تحریک خلافت پاکستان نے جب سے کام شروع کیا' اس کا سب سے زیادہ بوجھ امیر محترم و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے حصے میں آیا چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ پورے پاکستان کا جن میں شمالی علاقہ جات بھی شامل ہیں' بھرپور دورہ کیا اور دوروں کا یہ سلسلہ اگرچہ اب بھی جاری ہے تاہم اب داعی تحریک چاہتے ہیں کہ دعوتی کام اور انتظامی ذمہ داری مکمل طور پر ان کے رفقاء کار ہی سرانجام دیں۔ تحریک کے ناظم اعلیٰ جناب جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری نے ان کی اس خواہش کی تکمیل میں پوری کوشش کی ہے لیکن جو کام خاص داعی تحریک کے کرنے کا ہے اسے وہ ان شاء اللہ اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک دم میں دم ہے۔

اکتوبر ۹۳ء سے داعی تحریک نے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں "خطبات خلافت" کا پروگرام طے کیا چنانچہ یہ تین چار روزہ خطبات خلافت کراچی' پشاور اور راولپنڈی کے بعد اب لاہور میں بھی منعقد ہوئے ہیں۔ لاہور میں "خطبات خلافت" کے لئے ۲۰ تا ۲۴ دسمبر کی تاریخوں کا انتخاب کیا گیا اور مقام جناح ہال اپر مال روڈ لاہور تجویز ہوا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۰ سے ۲۴ دسمبر "خطبات خلافت" قابل رشک کامیابی کے ساتھ ہوئے۔ اگرچہ اعلان ۲۰ سے ۲۳ دسمبر تک تین خطبات کا ہوا تھا جن کے بعد ۲۴ دسمبر کو سوال و جواب کی نشست کا اہتمام ہونا تھا لیکن دوسرا خطبہ جس کا عنوان "نظام خلافت کا معاشرتی' معاشی اور ریاستی و سیاسی نظام" تھا' دو نشستوں میں مکمل ہو سکا۔ پہلی نشست میں نظام خلافت کا دستوری و قانونی ڈھانچہ یعنی سیاسی نظام زیر بحث آیا اور دوسری نشست میں معاشرتی و معاشی نظام پر گفتگو ہوئی جبکہ دوسرے مقامات پر محترم داعی تحریک نے ان تینوں موضوعات کا ایک ہی نشست میں احاطہ کیا تھا۔

"خطبات خلافت" کا یہ پروگرام تقریباً تمام شہروں میں انتہائی کامیاب رہا۔ حاضری کے حوالے سے بھی اور دیگر انتظامات کے حوالے سے بھی لیکن لاہور کے خطبات خلافت جس حتم بالشان انداز میں تکمیل پزیر ہوئے وہ واقعتاً ہمارے لئے بہت ہی حوصلہ افزا واقعہ ہے۔ الحمد اللہ' چاروں دن نہ صرف یہ کہ جناح ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی بلکہ بہت سی اضافی کرسیاں بھی بعض خالی جگہوں پہ لگانا پڑیں۔ بہت سے لوگوں کو سٹیج پر دریاں بچھا کر بٹھایا گیا۔ اس کے علاوہ سامنے کے برآمدے اور ایک بغلی گیلری میں شارٹ سرکٹ پر دو ٹیلی ویژن سیٹ رکھ کر مردوں کے لئے کرسیاں لگادی گئیں تھیں جن کی مدد سے بہت سے سامعین نے پیغام خلافت سنا جبکہ دوسری بالعلی گیلری میں خواتین کی نشست کا باپردہ انتظام تھا۔ ان تمام انتظامات کے باوجود بھی بہت سے لوگ کھڑے ہو کر پورے انہماک کے ساتھ داعی تحریک کی علم و حکمت سے بھری ہوئی باتوں کو بلا تکان سنتے رہے۔

ان خطبات کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ نہ صرف سامعین کی ایک بڑی تعداد نے خطبات خلافت سنے بلکہ انتہائی توجہ اور انہماک سے سنا اور چاروں دن حاضری پر معمولی سا فرق بھی نہیں پڑا۔ لاہور کے خطبات کا وقت بعد از نماز عشاء تھا لہٰذا ابتداء یہ اندیشہ بجا تھا کہ سردی کا موسم اثر انداز ہو گا لیکن گرمی محفل نے سردی کا علاج کر دیا تھا۔ ان خطبات خلافت کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ان کو سننے کے لئے جو حضرات تشریف لائے ان میں بڑی تعداد نوجوانوں پر مشتمل تھی اور اکثر نئے چہرے تھے اور یہ واقعتاً ایک خوش آئند بات ہے کیونکہ تحریک کے پیغام کا بیج نئی زمینوں میں ڈالا گیا۔

۲۰ دسمبر کو ان خطبات میں سے پہلے خطبہ کا موضوع "مایوس کن حالات میں خلافت کی نوید جانفزا" تھا۔ داعی تحریک نے خلافت کا مفہوم قرآن و سنت سے واضح کیا۔ اس کے علاوہ قرآن و سنت سے ہی یہ بھی ثابت کیا کہ قیامت سے پہلے ایک مرتبہ پھر اس کرہ ارضی پر عالمگیر خلافت علیٰ منہاج النبوہ کا قیام ضرور ہو گا۔ داعی تحریک نے نبی اکرم ﷺ کے بہت سے اقوال اس ضمن میں پیش کئے اور اپنی بات کو قرآن و حدیث کے علاوہ عقل و منطق کے دلائل سے بھی مزین کیا۔ نیز سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود کی پوری تاریخ کے خلاصہ کی بھی گویا تصویر کھینچ کر رکھ دی اور امت مسلمہ پر آنے والے مختلف ادوار کا بھی تفصیلی ذکر کیا۔ داعی تحریک نے پورے یقین کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا کہ خلافت علیٰ منہاج النبوہ کا نظام ضرور قائم ہو گا۔ ہاں' یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب قائم ہو گا۔ تاہم احادیث کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو وہ وقت دور نہیں لگتا' قریب ہی ہے۔ اس خطبے میں داعی تحریک نے مسلم اقتدار کی پوری تاریخ بیان کر دی اور واضح کیا کہ خلافت ملوکیت میں کیسے بدلی تھی اور کس طرح ہماری اسی صدی کے آغاز میں اپنوں کی نادانی سے خلافت کا برائے نام ادارہ بھی ختم ہو گیا۔

۲۱ دسمبر کو دوسرے خطبے کا عنوان تھا "نظام خلافت کا سیاسی و دستوری ڈھانچہ"۔ اس کو دوسرے

ڈاکٹر اسرار احمد پہلا خطبہ دیتے ہوئے۔ ساتھ تحریک کے مرکزی رہنما معین الدین شاہ صاحب ہیں۔

لفظوں میں عہد حاضر میں اسلامی ریاست کے خدوخال سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ عہد حاضر میں سب سے زیادہ اہمیت سیاسی نظام کی ہے۔ اس لئے کہ سیاسی نظام کے استحکام پر ہی معاشی نظام کے استحکام کا دارومدار ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ممالک میں سیاسی ابتری نہیں پائی جاتی وہاں معاشی حالات بھی بہتر ہیں۔ اس کے علاوہ جب اسلام کا بطور نظام ذکر آتا ہے تو فوراً ذہن میں اس کے سیاسی و دستوری نظام سے متعلق بہت سے سوالات گردش کرنے لگتے ہیں۔ خصوصاً یہ سوالات اس وقت اور زیادہ شدت سے سر اٹھاتے ہیں جب "نظام خلافت" کی بات کی جائے۔ اس لئے کہ "خلافت" کے ساتھ جمہوری نظام' ووٹ کا تصور' خلیفہ کے اختیارات' خلیفہ کا انتخاب جیسے مسائل جدید ذہن میں بڑی الجھن پیدا کردیتے ہیں۔

داعی تحریک نے جدید ذہن میں ابھرنے والے ان تمام سوالات کا بھرپور جواب دیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ جدید ذہن کے خون نباض ہیں اور یہی بات میرے نزدیک سب سے اہم ہے کہ امیر محترم سامعین کے شبہات کا پہلے سے اندازہ لگالیتے ہیں۔ چنانچہ راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض دفعہ ذہن میں کئی سوالات سوچ کی لہریں اٹھاتے محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر اسی موضوع پر امیر محترم کا کوئی لیکچر سنا جائے تو براہ راست پوچھے بغیر ہی وہ سب اشکالات خود بخود رفع ہوجاتے ہیں۔

داعی تحریک نے نظام خلافت کے سیاسی و دستوری ڈھانچے پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے تو اس اصولی بات کو ذہن انسانی کے ارتقاء کے حوالے سے بیان کردیا کہ قرآن وسنت میں سیاسی نظام کی مکمل تفصیلات نہیں دی گئیں بلکہ چند بنیادی اصول دیئے گئے ہیں جن کی روشنی میں ہر دور میں اسلامی ریاست اس دور کے تقاضوں اور تاریخی و ثقافتی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے قائم کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر تین باتوں کا التزام کرلیا جائے تو کوئی سا بھی نظام حکومت نظام خلافت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو دستوری سطح پر تسلیم کیا جائے اور اس مقام پر آپ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں یہ دستوری تقاضا قرار داد مقاصد سے پورا ہوگیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دستوری سطح پر یہ طے کر دیا جائے کہ کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوگی۔ تیسری بات یہ کہ صرف مسلمان اس ریاست کا حقیقی اور مکمل شہری ہوگا یعنی جداگانہ قومیت کا دستوری سطح پر اقرار اور قانونی نفاذ۔

داعی تحریک نے اپنے اس خطبے میں کہا کہ اگر خلافت راشدہ کے نظام کو سامنے رکھا جائے تو موجودہ صدارتی طرز حکومت اس کے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ دوسرے طرز ہائے حکومت بھی کوئی حرام نہیں لیکن صدارتی نظام ان کی نسبت اسلام کے مزاج کے زیادہ قریب ہے۔ داعی تحریک کی یہ رائے واقعتاً بہت وزنی ہے اس لئے کہ عہد حاضر میں سیاسی افکار میں ایک نظریئے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وہ ہے "نظریہ تقسیم اختیارات" کسی بھی حکومت کے تین اہم ستون ہوتے ہیں جنہیں عدلیہ' مقننہ اور انتظامیہ کہتے ہیں۔ اس نظریئے کی روشنی میں ان تینوں شعبوں کے اختیارات دستوری سطح پر از خود تقسیم ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا یہ شعبے ایک دوسرے کے اختیارات میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔ یہ صورت ممکن ہی صرف صدارتی نظام میں ہے اس لئے کہ پارلیمانی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ کا تعلق ایک ہی ادارے سے ہوتا ہے یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انتظامیہ کا سربراہ اور وزراء کا تعلق قانون ساز ادارے سے ہوتا ہے لہٰذا یہاں وہ نظریہ تقسیم اختیارات بھی روبہ عمل نہیں ہوسکتا جبکہ صدارتی نظام میں یہ تینوں ادارے الگ الگ ہوتے ہیں۔ پارلیمانی نظام میں وزراء مقننہ پر اثر انداز ہوسکتے ہیں اور یوں وہ قانون سازی آزاد فضا میں نہیں کرسکتی کیونکہ حکمران جماعت کی ایوان میں اکثریت ہوتی ہے۔

۲۲ دسمبر کو تیسرے خطبے کا موضوع تھا "نظام خلافت میں سماجی وعائلی اور اقتصادی و معاشی نظام"۔ محترم داعی تحریک نے ان دو موضوعات میں سے بھی زیادہ تفصیلی گفتگو اقتصادی و معاشی نظام پر کی۔ ان کا کہنا تھا کہ جہاں تک تعلق ہے سماجی اور عائلی نظام کا تو اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پورا نظام قرآن میں بیان کردیا ہے۔ چونکہ اس کا تعلق مرد اور عورت کی نفسیات سے ہے اور وہ جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے کے انسان کی تھیں وہی آج کے جدید انسان کی بھی ہیں لہٰذا قرآن حکیم نے نکاح و طلاق اور ستر و حجاب کے احکامات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس خطبے میں محترم داعی تحریک نے زیادہ زور مرد اور عورت کے الگ الگ دائرہ کار پر دیا۔ انہوں نے اسلام کے اس بے لچک فلسفے کو پورے اعتماد کے ساتھ بیان کیا کہ اسلام مخلوط معاشرے کو قبول نہیں کرتا۔ مرد اور عورت کی جسمانی اور نفسیاتی ساخت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دائرہ ہائے کار متعین کردیئے ہیں۔ محترم داعی تحریک نے ستر و حجاب کی پابندی سے جو مسائل عہد حاضر میں پیدا ہوسکتے ہیں یا جن مسائل کی آڑ لی جاتی ہے ان پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ ستر و حجاب کے احکامات پر عمل پیرا ہونے سے قطعاً کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی اور اسلام کا معاشرتی نظام ترقی کی راہ میں ہرگز رکاوٹ نہیں ہے۔

اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام پر داعی

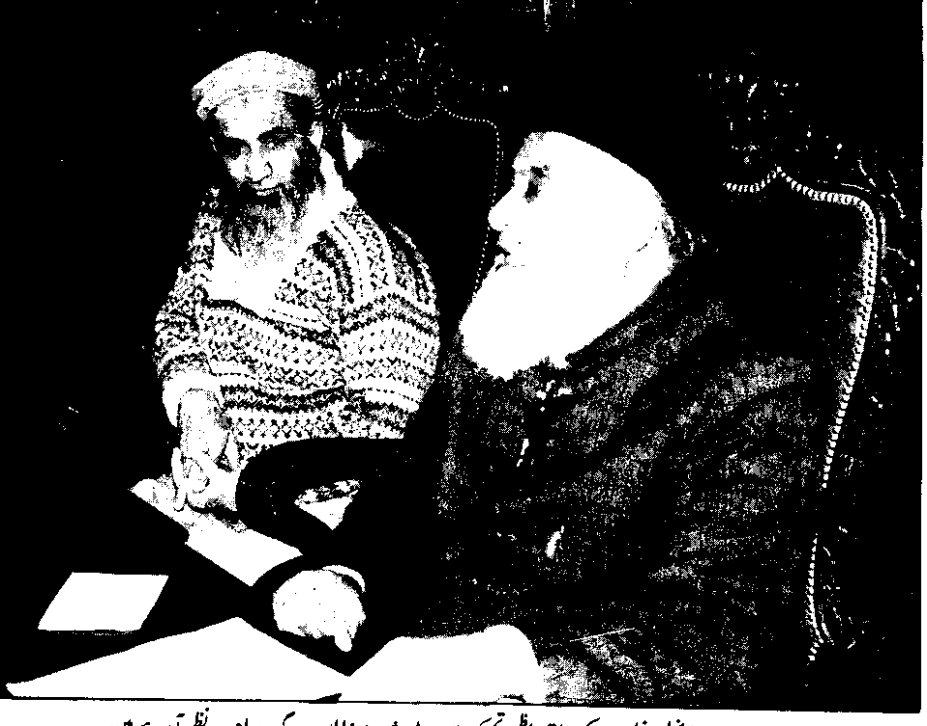

دوسرے دن فاضل خطیب کے ساتھ ناظم تحریک لاہور ڈویژن مرزا ایوب بیگ صاحب نظر آ رہے ہیں۔

تحریک نے مفصل روشنی ڈالی۔ آپ نے کہا کہ اقتصادی نظام کے ضمن میں بھی قرآن حکیم نے اصولی ہدایات عطا فرمادی ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر دور میں معاشی و اقتصادی نظام کو اسلامی فلسفہ کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے سود کی شناعت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا خصوصاً زمین کا سود جسے بڑے بڑے علماء بھی جائز سمجھتے ہیں۔ آپ نے جاگیرداری کے ضمن میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد اور پھر اس پر تمام صحابہؓ کے اجماع کا حوالہ دیتے ہوئے جاگیرداری نظام کی حیثیت کو واضح کیا۔ آپ نے دور ملوکیت کے ان حالات و واقعات کا بھی تفصیلی ذکر کیا جن میں غیر حاضر زمینداری اور جاگیرداری کے مشروط جواز کا فتویٰ دیا گیا۔ نیز اس ضمن میں داعی تحریک نے امام اعظم سیدنا ابو حنیفہؒ اور امام دارالہجرت امام مالکؒ کے اجتہادات سے بھی آگاہ کیا۔ آپ نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان مسائل پر آزادانہ فضا میں گفتگو ہونی چاہئے تاکہ ان کی جزئیات واضح شکل میں لوگوں کے سامنے آئیں۔ آپ نے علامہ اقبال کے حوالے سے کہا کہ اسلام کے رخ روشن پر جو دور ملوکیت کے پردے پڑ گئے ہیں انہیں ہٹانے کا وقت آگیا ہے۔ یہ پردے پہلے علمی طور پر ہٹانے ہوں گے تاکہ بعد میں انقلاب کا وار کرکے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

۲۴ دسمبر کو ان خطبات خلافت کے سلسلے کا آخری پروگرام تھا۔ آج کے خطبے کا تعلق علم سے زیادہ عمل سے تھا۔ آج داعی تحریک نے اس منہج کو واضح کیا جس پر چل کر نظام خلافت برپا کیا جاسکتا۔

چنانچہ آپ نے انقلاب کے چھ مراحل کو مختصر کرکے تین مراحل میں بیان کیا۔ آپ نے یہ فلسفہ انقلاب سیرت النبی ﷺ سے اخذ کیا ہے۔ آپ نے یہ بات ایک سے زیادہ مرتبہ کہی ہے کہ فلسفہ انقلاب کے لئے میرا ماخذ صرف اور صرف سیرت النبی ﷺ ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر سیرت النبی کو سامنے نہ رکھا جائے تو نہ ہی فلسفہ انقلاب سمجھا جا سکتا ہے نہ ہی قرآن حکیم کا گہرا فہم حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنے اس خطبے کا اختتام "من انصاری الی اللہ" کی صدا پر کیا کہ لوگو! میں تمہیں اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لئے پکار رہا ہوں' ہے کوئی جو اس پکار پر لبیک کہے اور اپنی جان و مال اللہ کے قدموں میں لاکر ڈال دے!۔

۲۵ دسمبر کو جمعۃ المبارک تھا لہٰذا اس دن داعی تحریک نے مسجد دارالسلام میں اپنے خطبہ جمعہ کی بجائے ان حضرات کے سوالات کے جواب دیئے جو ان چار روزہ خطبات میں شریک ہوتے رہے تھے۔ سوالات کی کثرت اور نوعیت سے اندازہ ہوا کر سامعین نے صرف سنا ہی نہیں بلکہ بات ان کے قلوب میں اتری ہے۔

ان چار روزہ خطبات خلافت میں عہد حاضر کے تین اہم مسائل کا گویا اسلامی حل پیش کیا گیا۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سماجی و معاشری سطح پر مرد اور عورت کا دائرہ کار کیا ہے یعنی مرد اور عورت کی حیثیت کیا ہے۔ یہ مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اور اس کا ٹھیک ٹھیک حل صرف اسلام کے پاس ہے کیونکہ اسلام ہی ان دونوں کے درمیان توازن برقرار رکھتا ہے۔ دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ فرد اور ریاست میں کیا تعلق ہے یا یوں کہہ لیں کہ فرد اور اجتماعیت میں کس کی کیا اہمیت ہے؟ فرد کو اجتماعیت پر قربان کر دیا جائے یا فرد کی خاطر اجتماعیت کو تج دیا جائے یا ان میں کوئی باہمی مناسبت بھی ہے؟ تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ محنت اور سرمائے میں کیا تعلق ہے؟ محنت یعنی مزدور کی محافظت کی جائے یا سرمائے یعنی سرمایہ دار کی؟۔ واقعتاً عہد حاضر کی کل عمرانی فکر ان تین اہم مسائل کے گرد گھومتی ہے۔ انسان نے جب ان مسائل کا حل محض اپنی عقل سے نکالا تو افراط و تفریط کے دھکے کھاتا رہا۔ بعض معاشروں میں عورت کی حیثیت محض جنسی تسکین کے ذریعے سے زیادہ نہ تھی اور مرد انہیں پاؤں کی جوتی سمجھتے رہے۔ یہی معاملہ دوسرے دو اہم مسائل کا ہے۔ لیکن ان تین مسائل کا متوازن حل اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت میں موجود ہے۔ یہی ان خطبات خلافت کا موضوع تھا جس کا حق ادا کیا امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے۔

امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کو سنتے ہوئے اب ایک طویل عرصہ بیت گیا ہے۔ ایک ایک موضوع پر آپ کو بلا شبہ بیسیوں دفعہ سنا۔ لہٰذا اب بعض اوقات کسی ایک موضوع پر ہی ڈاکٹر صاحب کی مختلف تقاریر و خطبات سنتے ہوئے قدرے کوشش سے دل و دماغ کو آمادہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بات میں ایک حقیقت کے طور پر بیان کر رہا ہوں کہ جب بھی امیر محترم کو سنا ایسا نہیں ہوا کہ کوئی نہ کوئی نیا گوہر نہ ملا ہو۔ اور نہ ہی سنتے ہوئے کبھی ایسا ہوا کہ یہ باتیں تو کئی مرتبہ سنی ہیں لہٰذا اب ان میں دلچسپی ختم ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ سننے کے بعد احساس ہوا کہ جیسے ایک ولولہ تازہ عطا ہو گیا ہو یا جیسے فکری غبار چھٹ گیا ہو۔

اسی ضمن میں ایک اور تاثر بھی بیان کرتا جاؤں کہ راقم نے علامہ اقبال کی نظم شکوہ اور جواب شکوہ کئی بار پڑھی ہے۔ بلکہ یوں سمجھ لیں کہ راقم کو اس کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ ہے۔ میں نے یہ نظم جب بھی پڑھی بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ بالکل یہی تاثیر امیر محترم مدظلہ کی تقاریر چھوڑ جاتی ہیں۔ امیر محترم مدظلہ کی تقاریر کے بعض حصے واقعتاً تڑپا جاتے ہیں۔ یہی تاثر میرا ان خطبات کے حوالے سے بھی ہے کہ واقعتاً راقم بھی ان سے ویسے مستفید ہوا جیسے کسی بھی

نئے سننے والے کو محسوس ہوا ہوگا۔ جب میں امیر محترم مدظلہ کی تقاریر سن رہا ہوتا ہوں اور آپ سینوں میں آگ بھڑکا رہے ہوتے ہیں تو مجھے حضرت علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آجاتے ہیں۔۔

وہی ہے تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں دکھا کر رخ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

ان دنوں جب بعض دینی حلقوں کی طرف سے ہمیں تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش ہو رہی ہے اور بعض دینی حلقوں نے درس جمہوریت دینا شروع کر دیا ہو تو واقعتاً یہ صدائے احتجاج و انقلاب بہت مبارک ہے۔

ان خطبات خلافت کے ضمن میں ایک اور تاثر یہ بنا بلکہ زیادہ درست یوں ہے کہ پختہ ہوا ہے کہ امیر محترم مدظلہ جس تیقن کے ساتھ کہتے ہیں کہ "نظام خلافت" کا نقطہ آغاز سرزمین پاکستان سے ہوگا اس سے بھی مجھے حضرت علامہ اقبال یاد آجاتے ہیں۔ یہ بات میں عہد حاضر کے فکری بونوں سے ڈرتے ہوئے کہہ رہا ہوں جنہیں پتہ نہیں ہوتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے تاریخی خطبے میں جسے خطبہ الٰہ آباد کا نام دیا گیا' برصغیر کے شمال مغرب میں ایک مسلم ریاست کی پیشن گوئی کرتے ہوئے آپ نے یہ الفاظ کہے تھے کہ یہ تو اس علاقے کا مقدر ہو چکی ہے۔ یعنی ایسا تو ہو کر رہے گا حالانکہ اگر ۱۹۳۰ء میں مسلمانان برصغیر کی حالت کو سامنے رکھا جائے تو علامہ اقبال کی بات شاید اس وقت لوگوں کی سمجھ میں بھی نہ آتی ہو۔ بالکل یہی معاملہ امیر محترم مدظلہ کا ہے کہ اگر اس وقت امت مسلمہ کی عالمی سطح پر حیثیت کو سامنے رکھا جائے اور پھر اس میں مسلمانان پاکستان کی کیفیت کو دیکھا جائے تو امیر محترم کی بات جلد سمجھ میں آنے والی نہیں ہے لیکن دوسری طرف امیر محترم کے یقین کی کیفیت اور دلائل کو سامنے رکھا جائے تو بڑا حوصلہ ہوتا ہے۔ یہی یقین کی شدت ہے کہ آپ اس بات کو بلاشبہ سینکڑوں دفعہ مختلف خطبات و تقاریر میں دہرا چکے ہیں۔

خطبات خلافت کے حوالے سے اپنے ایک آخری تاثر کو بھی بیان کرتا جاؤں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کیا ہے' امیر محترم مدظلہ کو ایک طویل عرصہ سے سن رہا ہوں۔ آپ کے خطبات و دروس میں جس ذوق و شوق سے لوگ شریک ہوتے ہیں اس سے بھی ایک حوصلہ ہوتا ہے کہ بات کافی وسیع حلقے میں سنی جا رہی ہے۔ پھر اگر مشاہدہ کیا جائے تو لوگوں پر دوران تقریر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ بھی اس بات کی غماز ہوتی ہے کہ بات فقط سنی ہی نہیں جا رہی بلکہ دلوں میں بھی اتر رہی ہے اور دل اس کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود لوگ عملی اعتبار سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کیا سرزمین پاکستان اتنی ہی بانجھ ہوگئی ہے کہ یہاں اسلام کے پاسباں نہیں نکل رہے۔ یہ بات حوصلوں کو پست کر دیتی ہے۔ اور حالیہ خطبات میں اسی بات کا شکوہ امیر محترم مدظلہ نے بھی کیا ہے کہ لوگ بڑے شوق سے سنتے ہیں لیکن ہاتھ میں ہاتھ دے کر نظام باطل کو للکارنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہرحال ہمیں تو یہ کام کرنا ہے' خواہ کوئی ہمارے ساتھ آئے یا نہ آئے۔ ہم نے آواز حق بلند کرتے رہنا ہے اور جب تک مناسب جمعیت فراہم نہیں ہو جاتی اس کام سے غافل نہیں رہیں گے۔ جب جمعیت فراہم ہو جائے گی تو پھر نظام باطل سے ٹکرانے میں ان شاء اللہ خیریت جاں اور راحت تن کا فکر حائل نہ ہوگا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

دو سوال اور ان کے جواب

"آپ اپنی توانائی اور صلاحیت ضائع کر رہے ہیں"

خطبات خلافت کے چار دور کراچی' راولپنڈی' پشاور اور لاہور میں مکمل ہو چکے ہیں۔ ہر مقام پر آخر میں سامعین کو سوالات کا موقع دیا جاتا تھا چنانچہ فاضل خطیب' ڈاکٹر اسرار احمد کو موضوع سے مناسبت رکھنے والے اور مناسبت نہ رکھنے والے دونوں طرح کے سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے منتخب سوالات اور ان کے جواب آئندہ شماروں میں نذر قارئین کئے جائیں گے تاہم اس بار کراچی میں پوچھے گئے دو سوالات مع جوابات پیش کئے جا رہے ہیں جو وہاں سے ہمارے قلمی معاون محمد سمیع صاحب نے مرتب کر کے روانہ کئے۔ کراچی ایک زمانے میں جماعت اسلامی کا شہر شمار کیا جاتا تھا اور اگرچہ بعد ازاں ایم کیو ایم نے جماعت کا یہ قلعہ فتح کر لیا تاہم بعض اسلام پسندوں کے ذہنوں سے جماعت کے اثرات مٹائے نہ جا سکے اور ان سوالات میں وہ مخصوص منطق پوری طرح نمایاں ہے جس کی چھاپ متاثرین جماعت میں پائی جاتی ہے ------ مدیر

○ سوال: آپ کے خطبات خلافت اور چند دیگر تقاریر سننے کا اتفاق ہوا۔ میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ تنظیم اسلامی اور جماعت اسلامی کے اغراض و مقاصد قریب قریب ایک ہی ہیں۔ مقاصد کے حصول کے طریق کار میں اختلاف ہے۔ اگر ہم ایک مکمل اسلامی مملکت جس میں شرعی نظام نافذ ہو' قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر اسے آسانی سے خلافت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے انتخاب کی بجائے انقلاب کا جو اصول پیش کیا ہے وہ سننے سنانے کی حد تک تو واقعی بہت موثر و مدلل ہے لیکن اسے عملی جامہ پہنانا تو صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو آپ کے گرد جمع ہیں اور عالی شان ہوٹلوں کی نرم گدیوں پر بیٹھ کر آپ کا بیان سنتے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ میری ناقص رائے میں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں اور توانائی کو ضائع کر رہے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کی تحریک کا حشر بھی وہی نظر آ رہا ہے جو اس سے قبل تحریک خلافت اور خاکسار تحریک کا ہو چکا ہے۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ کیوں نہ آپ ہم خیال جماعتوں کو متحد کر کے اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کریں اور اس کے لئے تبدیلی حکومت اور تبدیلی نظام کے لئے معروف مروجہ طریقہ یعنی انتخاب کے عمل میں شریک ہوں۔ گو کہ جماعت اسلامی اپنی پوری جدوجہد کے باوجود کوئی خاطر خواہ پیشرفت نہیں کر سکی اور انتخابات میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کی لیکن اس عمل کے ذریعہ اس نے اپنی دعوت کو پوری قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس عمل میں جماعت سے لغزشیں بھی ہوئیں جن کی ہر طرف سے مذمت اور نشان دہی کی جا رہی اور وہ اس کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔ کیوں نہ آپ بھی اپنا وزن جماعت

اسلامی کے پلڑے میں ڈال کر اپنی دعوت کو موثر انداز میں قوم کے سامنے پیش کریں۔ کیونکہ مقصد تو آپ کا بھی شرعی نظام کا قیام ہے۔ تبدیلی بذریعہ ایجی ٹیشن ہمارے ملک میں بھی ایوب خان کے خلاف ہوئی تھی لیکن فائدہ دوسرے لوگوں نے اٹھایا۔ بہرحال یہ کام بھی جماعت اسلامی جیسی منظم جماعت کر سکتی ہے۔ اس کے لئے آپ جماعت میں شامل ہو کر ہی جدوجہد کریں تو بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لئے دوسرے علماء کی تائید حاصل کی جا سکتی ہے۔

☆ **جواب:** میرے خیال میں یہ سوال نہیں' وعظ ہے اور نصیحت ہے۔ اس کا اب میں کیا جواب دوں۔ ایک تو انتہائی تضاد ہے کہ جب ایک شریعت والی حکومت قائم ہو جائے گی تو خلافت میں بدلنا آسان ہوگا۔ جب قائم ہو گئی تو اسے بدلنا کیا' وہی تو خلافت ہوگی۔ ایک اور تضاد یہ ہے اس سوال میں کہ بقول سائل جماعت اسلامی کی پیش رفت نہیں ہوئی۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ پسپائی ہوئی ہے! ۲۳ برس کی انتخابی جدوجہد کے بعد اپنا نام بھی چھوڑا' اپنے اصول بھی چھوڑے اور سارے الزامات بھی تسلیم کئے جا رہے ہیں کہ کون کون سی غلط حرکتیں کی گئی ہیں اور اس کے بعد بھی نتیجہ یہ کہ ۱۹۷۰ء میں تو ساڑھے چار آدمی آ گئے تھے یعنی چار جماعت کے اپنے آدمی اور ایک جماعت کی سپورٹ پر مولانا ظفر احمد انصاری لیکن اب لے دے کر تین آئے ہیں۔ تو عقل سے کام تو آپ لوگوں کو لینا چاہئے' اپنی بات پر نظرثانی کرنی چاہئے اور دوسرے یہ کہ آپ لوگوں نے اگر ایجی ٹیشن کیا تھا تو وہ ایجی ٹیشن بھی غلط تھا۔ آپ نے سیکولر قوتوں کے ساتھ جمع ہو کر ایجی ٹیشن کیا۔ وہ خالص آپ کا ایجی ٹیشن نہیں تھا۔ آپ نے بحالی جمہوریت کے لئے ایجی ٹیشن کئے تو ولی خان جیسے لوگ اس میں شامل ہوئے یا اور لوگ جو بھی تھے سیکولر ذہن کے تھے۔ اس کے نتیجے میں کیا ہونا تھا۔ ہاں ایک دینی قوت جو خود دین پر عمل پیرا ہو' وہ ایجی ٹیشن کرے اور وہ کامیاب ہو تو اس کے نتیجے میں دینی نظام آئے گا۔ پھر یہاں بھٹو کے خلاف ایجی ٹیشن ہوا تو اس میں پیرپگاڑہ صاحب بھی تھے جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں' ایک وہ بھی تھے ولی خان صاحب کہ جن ناموں سے آپ کو یاد فرماتے ہیں وہ آپ کو زیادہ معلوم ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ مل کر آپ نے ایجی ٹیشن کی تو پلڑا ان کا بھاری تھا' انہیں کے حق میں نتیجہ نکلے گا البتہ ایک انقلابی جماعت ہو جو ایک قائد کی اقتدا میں حرکت کرے اور اس کے ارکان اپنے وجود پر اسلام کو قائم کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ نہ تو اپنے وجود پر دین کی کوئی جھلک ہے اور نہ ہی اپنی معاشرت اسلامی ہے لیکن ایجی ٹیشن کر رہے ہو اسلام کے لئے۔ اگر اس پورے process کو لیکر چلیں گے اور ایجی ٹیشن ہوگا تو اس کے نتیجے میں جو تبدیلی آئے گی وہ اسلامی انقلاب پر منتج ہوگی۔ اس طرح اسلامی ریاست کا قیام ممکن ہے۔

○ **سوال:** جناب ڈاکٹر صاحب آپ کی انقلابی کوشش بہت ہے' اللہ قبول کرے۔ اگر جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی اتحاد کر لیں تو کیا حرج ہے ع خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو؟

☆ **جواب:** میری طرف سے تو یہ پیشکش سالہا سال سے موجود ہے کہ جماعت اسلامی الیکشن کا راستہ چھوڑ دے تو میں اپنی تنظیم اس میں ضم کر دوں گا اور تبلیغی جماعت امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی شروع کر دے تو میں ان کا ساتھی بن جاؤں گا۔ صرف فضائل کی تلقین ہی نہیں بلکہ منکرات کی نفی بھی ہونی چاہئے۔ اعلان کرے کہ ہمیں نظام قائم کرنا ہے۔ نظام کب قائم کرنا ہے' اس کے لئے اقدام کب کرنا ہے یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے لیکن تقاریر میں یہ ضرور ہونا چاہئے کہ ہمیں نظام قائم کرنا ہے اور اس کے ساتھ نہی عن المنکر بھی شروع کر دے۔ یہ دونوں جماعتیں ہیں جن کے بارے میں میں نے اپنی پوزیشن واضح کر دی ہے۔ ○○

حضرت عمرؓ کا اجتہاد

ایک لذیذ حکایت جسے بار بار دہرانے کو جی چاہتا ہے

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان آج کل روزنامہ جنگ میں ہفتہ وار کالم لکھ رہے ہیں اور توقع ہے کہ ہمارے قارئین ان سے بھرپور استفادہ کر رہے ہوں گے۔ پاکستان میں جاگیرداری کے خاتمے اور اسلام کے معاشی عدل و قسط کے نظام کے نفاذ کے سلسلے میں انہوں نے ایک نئے بندوبست اراضی کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ان کے اور تحریک خلافت کے اس موقف سے ہمارے قارئین آگاہ ہیں کہ پاکستان کی اراضی عشری نہیں بلکہ خراجی ہے اور سند کے طور پر ہم دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو پیش کرتے ہیں جس پر پوری امت کا اجماع ہوا اور جو رواں صدی کے آغاز تک خلافت عثمانیہ کی بھی سرکاری حکمت عملی میں شامل تھا۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کی زبان سے ہم میں سے ہر شخص نے سن رکھی ہوگی لیکن اصل واقعے کی جزیات پہلی بار ان کی تحریر میں شامل ہوئی ہیں جنہیں ہم یہاں نقل کر رہے ہیں کیونکہ لذیذ بود حکایت..... اپنے کالم میں "کتاب الخراج" سے یہ اقتباس داعی تحریک نے جوں کا توں شامل کیا تھا جس کا ترجمہ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی نے کیا ہے۔۔۔۔۔ مدیر

"جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی ایسی حمد و ثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے' اور پھر فرمایا:

"میں نے آپ حضرات کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی ذمہ داری ہے اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔ کیونکہ میں بھی آپ کی طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہوگا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق' میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ حضرات بہرحال وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے خدا کی قسم! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباع حق کے کچھ اور نہیں"۔

ان لوگوں نے کہا:

"امیر المومنین آپ فرمائیے ہم سنیں گے (اور غور کریں گے)"

تو آپ نے فرمایا:

"آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں' اگر میں نے کوئی ایسی چیز جو ان لوگوں کا حق تھی' ان کو نہ دی ہو اور دوسروں کو دی ہو' تو میں بڑا ہی بدبخت ہوں' لیکن میرا خیال ہے کہ کسری کی سرزمین کے بعد

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ایک بے خبر کی باخبری
اور ایک باخبر کی بے خبری

قیوم نظامی صاحب پیپلزپارٹی کے معدودے چند دانشور اہل قلم میں سے ہیں اور عہدہ ان کے پاس خواہ کوئی بھی ہو' صل فرض منصبی شریک چیئرپرسن (یا اب چیئرپرسن) بے نظیر صاحبہ کو سیاسی مشورے دینا ہے۔ حال ہی میں ان کی ایک تحریر "مذہبی جماعتوں کے لئے لمحہ فکریہ" کے عنوان سے روزنامہ جنگ میں شائع ہوئی جس کا حسب ذیل خلاصہ نکالتے ہوئے ہم نے خود مضمون نگار ہی کے جملے استعمال کئے ہیں۔ قیوم نظامی صاحب اس بات سے بے خبر ہیں یا بے خبر رہنا چاہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل دین ہے اور "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی چنگیزی"۔ وہ اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے رجال دین محض ایک خاص قسم کا "مذہبی کلچر" ہی پیدا کریں' جہانبانی کا کھکھیڑ ایسے لوگوں کے لئے چھوڑ دیں جن کے کردار کا بقول ان کے "اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا"۔ انہیں ڈاکٹر طاہر القادری کا ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ پسند آیا اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد کا عملی سیاست میں حصہ نہ لینا قابل ستائش ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا "ایک مذہبی سکالر کی حیثیت سے بلاخوف و خطر ہر دور میں کلمہ حق کہنا" بھی اگرچہ ان کے علم میں ہے تاہم انہیں یہ اندازہ نہیں کہ ڈاکٹر صاحب چونکہ تہیہ طوفاں کئے بیٹھے ہیں لہٰذا سیاست کی جھیل میں کنکریاں پھینک کر لہریں گننے کا کوئی شوق نہیں رکھتے۔ اور اندازہ اس لئے نہیں کہ ان تک شاید ہماری دعوت پہنچی ہی نہیں۔

بہرحال ایک طرف ایک بے خبر کی یہ باخبری دیکھئے اور دوسری طرف ایک باخبر کی یہ بے خبری کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ میدان سیاست میں دال نہیں گلی تو اب اللہ اللہ کرنے پر آگئے ہیں۔ "الاخوان" کے بانی امیر اور شیخ سلسلہ اویسیہ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان کی ایک تقریر ان کے جریدے ماہنامہ المرشد کے شمارہ جنوری ۹۴ء میں نظر نواز ہوئی تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی انہوں نے ناکام مذہبی سیاستدانوں میں شامل کر کے مذمت کی ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا ہے۔ ہم حضرت مولانا کے طریق کار کی اصابت پر کوئی رائے ظاہر کئے بغیر ان کے اس پروگرام کے مداح ہیں کہ دین کی جو خدمت بھی ان سے بن آئے اسے وہ مروجہ سیاسی پاکھنڈ سے علیحدہ رہ کر انجام دینا چاہتے ہیں لیکن دیکھئے انہوں نے ہمارے بارے میں کیسی عادلانہ بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں "ہم سے پہلے چلنے والے مذہبی جماعتیں بنا کر سیاسیات میں آئے وہ بیشتر ناکام ہو چکے ہیں اور کوئی ایک آدھ جو باقی ہے وہ بھی اس تیاری میں ہے کہ یا مذہب سے توبہ کرے یا سیاست سے توبہ کرے۔ صورتحال ہی کچھ ایسی ہے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جماعت بنائی اور وہ ناک آؤٹ ہو گئے طاہر القادری صاحب نے بنائی ناک آؤٹ ہو گئے۔ اسلامی فرنٹ بنا بیٹھی تو وہ ناک آؤٹ ہو چکا ہے اب خود وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں یہ الگ بات ہے لیکن لوگوں کی طرف سے وہ ناک آؤٹ ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ صرف ناک آؤٹ نہیں ہوئے ان کا جو دینی تشخص تھا سب جماعتوں کا جے یو آئی ہو یا جے یو پی جو دینی تشخص تھا وہ بھی مجروح ہوا یعنی اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی۔"

——— مدیر

مسلمان مذہبی رہنماؤں کی عزت اور احترام ضرور کرتے ہیں مگر انہوں نے کبھی علماء کو سیاسی رہنما کے طور پر قبول نہیں کیا۔ مسلمان بجا طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ مذہبی رہنما امور مملکت چلانے کی صلاحیت اور اہلیت نہیں رکھتے۔ لوگ ان کی تقریریں ذوق و شوق سے سنتے ہیں ان کے جلسے بھی کامیاب ہوتے ہیں مگر وہ انتخاب ہار جاتے ہیں۔ عوام مذہبی رہنماؤں کے مقابلے میں ایسے افراد کو ووٹ دے کر کامیاب کراوتے ہیں جن کے کردار کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی رویہ ظاہر کرتا ہے کہ عوام مذہب کو سیاست کی دلدل سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے عوام مذہبی رہنماؤں کے مقابلے میں ایک خاتون کو اپنا قائد تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ گویا مذہبی رہنماؤں کو عوام سیاسی اقتدار سونپنے کے لئے ہر گز تیار نہیں ہیں۔

پاکستانی عوام مذہب کو سیاست سے الگ تھلگ رکھنا چاہتے ہیں۔ عوام باشعور ہیں اسلام کے شیدائی ہیں اسلام کے لئے کٹ مرنے کے لئے تیار ہیں مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ پاکستان میں مذہبی جماعتیں مختلف فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے جاری کر رکھے ہیں۔ لہٰذا مذہبی رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ تاریخ سے سبق سیکھیں اور عوام کا فیصلہ تسلیم کرلیں۔ عوام مذہبی رہنماؤں کا احترام کرتے ہیں مگر ان کی خواہش یہ ہے کہ علماء مذہبی جماعتوں کے پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ نہ لیں بلکہ جو مذہبی رہنما عملی سیاست میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ اپنی پسند کی سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں اور مذہبی جماعتوں کو صرف مذہبی تعلیم و اشاعت کے لئے چھوڑ دیں۔ وہ سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر سیاسی کارکنوں کی اخلاقی تربیت کر سکتے ہیں۔ نیز سیاسی جماعتوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے ٹکٹ پر منتخب ہونے کے بعد مذہبی رہنما اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے سیاسی حکومت کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

راقم ڈاکٹر طاہر القادری کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہے جنہوں نے دوسرے مذہبی رہنماؤں کے مقابلے میں بہتر شعور کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اسی طرح محترم ڈاکٹر اسرار احمد بھی قابل ستائش ہیں وہ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے مگر ایک مذہبی سکالر کی حیثیت سے بلا خوف و خطر ہر دور میں کلمہ حق کہتے رہتے ہیں۔ وہ حکومت کی نگرانی اور رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ علماء حق کا یہی طریق رہا ہے کہ وہ سیاست اور حکومت میں ملوث ہوئے بغیر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قومی مسائل کے ضمن میں رہنمائی کرتے تھے۔ تبلیغی جماعت بھی سیاست میں ملوث نہیں ہوتی نتیجہ یہ ہے کہ اس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ تبلیغی جماعت اگر حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی تبلیغ بھی کرے تو اس کے اثر و رسوخ کا دائرہ اور بھی وسیع ہو سکتا ہے۔

پاکستان میں سیاست مکر و فن اور تجارت کی سیاست بن کر رہ گئی ہے لہٰذا مذہب کو اس سے الگ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے اپنے بہترین کردار سے اسلام کی اشاعت کی تھی۔ مذہبی رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ پر عمل کریں۔ اسلام کو کردار کے بحران سے نکالیں تاکہ نئی نسل ان کے کردار سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات کی طرف راغب ہو۔ مذہبی رہنما اپنے کردار اور عمل سے اگر یہ تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ وہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق کاروبار حکومت چلانے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں تو انتخابات میں ان کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر اور کشمیر

فیاض اختر میاں

امریکہ بندر بانٹ کا تماشا دکھائے گا

پاکستان اور بھارت دونوں کے لئے یو این او کی "نگرانی" گھاٹے کا سودا ہے

مسئلہ کشمیر جو تقریباً نصف صدی سے سرد خانوں میں پڑا ہوا تھا اور پاکستان اپنی کئی بھرپور کوششوں کے باوجود اس ضمن میں امریکہ اور اس کے حواریوں کے ضمیر کو بیدار کرنے میں بری طرح ناکام رہا تھا' اب نہ صرف اچانک زندہ ہوگیا ہے بلکہ امریکہ اور اسکے حواریوں کی نظر میں بے پناہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی طرح پاکستان کو نہ صرف پریسلر ترمیم کے ذریعہ ترسیل اسلحہ کی پابندی تھی بلکہ اسے دہشت گرد ممالک میں شامل کرکے اقتصادی ناکہ بندی کی دھمکی بھی دی جارہی تھی' اچانک پریسلر ترمیم کے خاتمہ اور بہتر تعلقات کی باتیں ہونا شروع ہوگئی ہیں جبکہ دوسری طرف ہندوستان کے ساتھ رویے میں اچانک سختی آگئی ہے جس کو سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد پاکستان اور چین کو سبق سکھانے کے لئے نہ صرف جدید ترین اسلحہ سپلائی کیا جارہا تھا بلکہ فوجی و نیم فوجی معائدے بھی عمل میں لائے گئے تھے اور اب اسے بھی کہا جارہا ہے کہ اپنے ایٹمی پروگرام کے ساتھ ساتھ میزائل ٹیکنالوجی کو بھی رول بیک کرے۔

خطہ کشمیر میں بھی امریکہ نے خود اپنے ہی مہرے کو بیرون ممالک کے دورے کے دوران اپنے ہاتھوں سے پٹوا دیا ہے۔ بظاہر یہ سارے معاملات گڈ مڈ اور خاصے الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں نیو ورلڈ آرڈر کے پس منظر میں دیکھا جائے تو باہم بہت مربوط دکھائی دیں گے۔ مسئلہ فلسطین سے بڑی حد تک فارغ ہونے کے بعد امریکیوں کے لئے کشمیر کے معاملے کو نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ڈھالنے میں کوئی قابل ذکر رکاوٹ اب باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس کے نسبتاً طویل المیعاد پروگرام کے مہرے بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں اور خاص طور پر اس وقت جبکہ آزاد کشمیر کی سب سے مقبول اور بر سر اقتدار سیاسی جماعت مسلم کانفرنس کے سربراہ سردار عبدالقیوم خان کو بھی شیشہ میں اتارا جاچکا ہے۔ جن کی حالیہ بیرونی دورے میں ڈاکٹر عبداللہ فاروق سے حفیہ ملاقاتیں زیادہ گہرا راز نہیں رہیں۔ پچھلے تقریباً دو ماہ میں موصوف امریکہ کے کئی طوفانی دورے کر چکے ہیں لیکن امریکیوں سے ان کی کیا بات ہوئی ہے' اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی بتانے سے گریزاں ہیں۔ البتہ حالیہ امریکی دوروں کے بعد ان کے رویہ میں جو اہم ترین تبدیلی باسانی محسوس کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے سب سے زوردار نعرے "کشمیر بنے گا پاکستان" سے تقریباً دستبردار ہو چکے ہیں۔ اس صورتحال میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ آزادی کی اس عظیم جدوجہد کے ان اہم ترین لمحات میں جبکہ کشمیری مجاہدین کی بے دریغ قربانیوں نے منزل کو بہت قریب کر دیا ہے' کوئی اہم کشمیری شخصیت چند جھوٹے وعدوں کے عوض میر جعفر اور میر صادق جیسا گھناؤنا کردار ادا کرکے کروڑوں مسلمانوں کے جان و مال کا سودا کرلے۔

نیو ورلڈ آرڈر کے تناظر میں پاکستان' چین اور ہندوستان کے سنگم پر واقع خطہ کشمیر اپنے مخصوص جغرافیائی حالات کے باعث بہت اہم ہوگیا ہے اور اب جبکہ امریکہ کے لئے جو دنیا کے دیگر سازشی پروگراموں سے نسبتاً فارغ ہے' امان اللہ خان جیسے نسبتاً غیر موثر اور "داشتہ آید بکار" قسم کے مہروں کو ہٹاکر ایسے نئے مہروں کو آگے بڑھایا جارہا ہے جو نہ صرف حکومت اور عوام میں بہت اثر و رسوخ رکھتے ہوں بلکہ جب امریکی دباؤ کے زیر اثر حالات کی چکی میں تیزی پیدا ہو تو وہ وقت کی رفتار سے ہم آہنگ ہو کر ان کو امریکی مفاد کے حق میں ڈھال سکیں۔

خطہ کشمیر کے ضمن میں امریکہ اب تک آدھی کامیابی حاصل کرچکا ہے یعنی جہاں پر پریسلر ترمیم کے زیر عنوان پاکستان کی دفاعی آمد روک دی گئی ہے بلکہ ایف ۱۶ جنگی جہاز بھی ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے جن کی پوری قیمت وہ حسب دستور پیشگی وصول کرچکا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس گودام میں ان طیاروں کو رکھا گیا ہے اس کا کرایہ بھی پاکستان ہی کو ادا کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک طرف پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے اور اقتصادی ناکہ بندی کی دھمکیوں سے اور دوسری طرف ہندوستان کو جدید ترین اسلحہ کی سپلائی اور فوجی و نیم فوجی معائدوں سے بھرپور آشیرباد دینے کے ذریعہ بالا خر اعلیٰ ترین پاکستانی حکام سے یہ بات تسلیم کروانے میں کامیابی حاصل کر چکا ہے کہ "ہم امریکہ کو کشمیر پر ثالث تسلیم کرتے ہیں"۔ پھر وہ اپنی نسبتاً زیادہ پسندیدہ حکومت بنوانے میں نہ صرف کامیاب ہوا ہے بلکہ ہمارے انتہائی حساس ادارے کے سربراہ سمیت دیگر کئی اہم عہدوں پر اپنی مرضی کی تبدیلیاں کروانے میں بھی کامیابی حاصل کر چکا ہے گویا کہ امریکہ اپنے مذموم مقاصد کی راہ میں حائل تمام ممکنہ رکاوٹیں پاکستان کی حد تک ہموار کر چکا ہے لیکن چونکہ مسئلہ کشمیر کے دوسرے فریق ہندوستان نے ابھی تک امریکہ کو کشمیر پر ثالث تسلیم نہیں کیا لہٰذا پاکستان میں حالات اپنے موافق کرنے کے بعد دباؤ کا یہی موثر ہتھیار ہندوستان کے خلاف اس وقت تک استعمال کیا جائے گا۔ جب تک وہ بھی امریکہ کو کشمیر پر ثالث تسلیم نہ کرلے اور کچھ عجب نہیں کہ ہندوستان کے اعلیٰ حکام ذاتی سطح پر تسلیم کر بھی چکے ہوں' مگر پھر بھی ہندوستان کی رائے عامہ کو اس قربانی کے لئے تیار کرنے کے لئے کچھ ناٹک تو کرنا ہی ہوگا۔

لہٰذا سازش کے دوسرے مرحلہ پر بھی بڑی تیزی سے کام شروع ہوچکا ہے جسکے پیش نظر جہاں پاکستان کے

خلاف پریسلر ترمیم کا خاتمہ اور بحالی امداد کی باتیں ہو رہی ہیں تو دوسری طرف ہندوستان کو یہ دھمکی بھی مل چکی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ایٹمی پروگرام بلکہ میزائل ٹیکنالوجی کو بھی رول بیک کرے۔

سازش کے تیسرے مرحلے میں جب کشمیر پر دونوں طرف سے ثالث مقرر ہو کر خطہ میں امریکی اور اس کے اتحادیوں کی فوجیں یہاں اتریں گی تو پورے کشمیر سے ہندوستان اور پاکستان کی فوجوں کو اس بہانہ سے نکال باہر کیا جائے گا کہ دونوں فریقوں کی موجودگی میں کشمیری عوام اپنے حق رائے دہی کا اظہار آزادانہ طور پر نہیں کر سکیں گے۔ سازش کا چوتھا مرحلہ یعنی آزادانہ حق رائے دہی اس وقت تک نہیں ہوگا جب خطہ کے حالات نیو ورلڈ آرڈر کے موافق نہ ہو جائیں یعنی پہلے کشمیری مجاہدین کے پاکیزہ خون کو دھونے کے لئے پیٹرو ڈالروں کا سیلاب لایا جائے گا پھر جب الیکٹرک میڈیا کے بھرپور دباؤ کے تحت مال و دولت کی ریل پیل میں کشمیر کے بیٹے اپنی اصل منزل کو بھلا بیٹھیں گے تو پھر انہیں ٹرانسپرنٹ استصواب رائے کا بھرپور موقع دیا جائے گا جس میں پوری دنیا اخباری رپورٹروں اور سیاسی مندوبین کو بھی خصوصی طور پر بلایا جائے گا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے کشمیریوں کو امریکہ کی زیر نگرانی آزادانہ ریاست کے حق میں ووٹ ڈالتے ہوئے دیکھ سکیں۔

اس کے بعد امریکہ کے لئے بھرپور موقع ہوگا کہ پاکستان کی شہ رگ کشمیر میں اپنے مستقل فوجی اڈے قائم کر کے نہ صرف ہندوستان اور چین بلکہ مستقبل کے عظیم اسلامی بلاک کو اس کی تاسیس سے پہلے ہی ریزہ ریزہ کردے جو انشاء اللہ پاکستان' افغانستان اور نو آزاد ریاستوں پر مشتمل ہوگا جس کی طرف حضور ﷺ نے واضح پیشینگوئیاں فرمائیں ہیں اور جس میں پاکستان انشاء اللہ کلیدی کردار ادا کرے گا۔ یہاں مسئلہ کشمیر کے فریقین پاکستان اور بھارت کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ کب تک بیرونی طاقتوں کے مفادات کے لئے اپنی غریب عوام کی بنیادی ضروریات کو نظرانداز کرتے رہیں گے۔

ہندوستان کے ہاتھوں سے پھسلتے ہوئے کشمیر کا یہ حل ہرگز نہیں کہ اسے امریکہ کے حوالہ کردیا جائے۔ وقتی طور پر تو شاید ہندوستان اس پر خوشی سے آمادہ ہوجائے کہ جو کشمیر اس کے پاس نہیں رہا وہ پاکستان کے ہاتھ بھی نہیں لگا۔ لیکن اگر خدانخواستہ امریکہ کو خطہ کشمیر میں قدم جمانے کا موقع مل جاتا ہے تو پورے ایشیاء کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی کیوں کہ نیو ورلڈ آرڈر کے مطابق امریکہ کی آڑ میں یہودی پوری دنیا کو چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم کر کے حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے۔

گویا یہ شاید دونوں ممالک کے لئے آخری موقع ہے کہ وہ بالغ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مسئلہ کے حل کی طرف حقیقی پیش قدمی کریں اور جس قدر جلد ممکن ہو کشمیر میں کسی قابل اعتبار ہمسایہ ملک کے زیر نگرانی یا سارک ممالک کی مشترکہ امن فوج کے زیر انتظام استصواب رائے کے عمل کو یقینی بنائیں

مصر کے تازہ شہید

غیرتِ ایمان عنقا ہوگئی دنیا میں حیف   ہے جنازہ دوش پر اسلام کے اقبال کا
ساٹھ مومن کردئے حسنی مبارک نے شہید   آہ یہ تحفہ ہے امریکہ کو اِک دجّال کا
شام ہو' ترکی ہو' یا ہو الجزائز اور عراق   ڈال رکھا ہے یہی پھندا گلے میں جال کا
اہلِ ایماں سینکڑوں ہر روز کرتے ہیں شہید   اور یہ دیتے ہیں تحفہ کفر کو ہر سال کا
دشمنوں کو کیا ضرورت ہے کہ ہوں بد نام جب   اپنے ہی بڑھ کر اٹھالیں بار اس جنجال کا
ہے ستم پر یہ ستم اسرار عبرت کا مقام   ہر مسلماں ملک حامی ہے اسی قتّال کا
ہے مسلماں ہر جگہ مظلوم بھی مجبور بھی   یہ نتیجہ ہے ہماری شومئی اعمال کا

"اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جالؔ کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا"

—— اسرار احمد سہاوری

لہ یہ شعر چکبست لکھنوی کا ہے

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل،

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ ● قیمت: اشاعت خاص (مجلد) -/۶۰ ، اشاعت عام -/۳۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

کیا چھٹی منا لینا ہی کافی ہے؟

محمد سمیع کراچی

میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ یوم صدیق اکبرؓ کے سلسلے میں ۲۲ جمادالثانی کو عام تعطیل کا اعلان کرے۔ جب اس ملک میں بانی قوم کی یوم ولادت اور یوم وفات پر عام تعطیل ہو سکتی ہے۔ جب محرم کے زمانے میں یوم عاشور کے سلسلے میں ایک چھوڑ دو دن عام تعطیل ہو سکتی ہے تو یوم صدیق اکبرؓ کے سلسلے میں عام تعطیل کیوں نہیں ہو سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت اس موقع پر عام تعطیل کا اعلان نہیں کرتی تو ہم خود عام تعطیل کریں گے۔ ہم اپنے کاروبار بند رکھیں گے۔ اپنی ملازمتوں پر نہیں جائیں گے۔ آپ کہیں کہ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم ایسا کریں گے۔ کلمہ پڑھیں اور ہاتھ اٹھا کر عہد کریں کہ ہم یوم تعطیل منائیں گے۔ بچو آپ بھی عہد کریں کہ آپ اس دن اسکول نہیں جائیں گے۔ اگر استاد یہ پوچھیں کہ آپ اسکول کیوں نہیں آئے تو آپ کہہ دیں گے کہ کل ۲۲ جمادی الثانی کا دن تھا۔ ہم یوم صدیق اکبر ﷺ کے سلسلے تعطیل منا رہے تھے۔ جمعہ المبارک کے موقع پر خطیب صاحب کی تقریر بڑے زور شور سے جاری تھی۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ چھٹیوں کا رواج ہے تو یہ چھٹی بھی ہونی چاہئے۔

نمازی اس سوچ میں گم تھے کہ جب چھٹی کی کوئی شرعی ضرورت نہیں تو پھر اس پر اتنا زور کیوں ہے؟ اگر یہ چھٹی رواجی ہے تو اسلام تو رواجوں کو مٹانے کیلئے آیا تھا نہ کہ اسے عام کرنے کیلئے وہ بھی اکابر صحابہؓ کے نام پر۔ یہ صحابہؓ کی کیسی محبت ہے کہ ہم ان کے نام پر بھی رسم و رواج کو فروغ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور پھر کلمے کے نام پر عہد بھی لے رہے ہیں۔ کیا یہ سارے نمازی جو دینی جذبے کے تحت ہاتھ اٹھا رہے ہیں اس عہد پر قائم بھی رہ سکیں گے۔ اور اگر بالفرض عام تعطیل کے اس مطالبے کو حکومت منظور کر بھی لیتی ہے تو اس دن ہو گا کیا۔ وہی جو عام تعطیل کے دنوں میں ہوتا ہے۔ اس رات لوگوں میں ایسے بھی ہوں گے جو وی سی آر پر (بلکہ اب اس کی بھی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے ٹی وی پر فلمیں کیا کم آتی ہیں) فلمیں دیکھیں گے۔ دن بھر آرام کریں گے اور شام کو کسی تفریحی مقام پر چلے جائیں گے یا اپنے کسی عزیز کے ہاں ملاقات کیلئے چلے جائیں گے۔ کیا اس طرح ابوبکر صدیقؓ سے محبت کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ وہ جو خود ایسے عاشق رسول ﷺ تھے کہ ان کی طرف سے اشارہ ملنے پر اپنی پوری متاع' پورا مال سامنے لا کر ڈھیر کر دیا اور یہی نہیں بلکہ ان کی خاطر جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے۔ جن کی دعوت پر عشرہ مبشرہ میں سے چھ اصحاب رسولؐ ایمان لائے تھے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین پامال ہو رہا ہے' اس کی شریعت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے لیکن ہماری ساری توانائیاں دنیا کی مادی ضروریات کے حصول میں صرف ہو رہی ہیں۔ وہ ابوبکر صدیقؓ کہ جب ان کے دور خلافت میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھا تو وہ اس کے خلاف ڈٹ گئے اور فرمایا کہ "کیا دین میں تبدیلی ہو جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں"۔ ہمارا حال یہ ہے کہ سود کو شریعت ایکٹ کے ذریعہ تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے اور ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عاشق صادق کی زندگی کے اس پہلو کو بھی عوام کے سامنے لایا جائے اور ان میں وہ عقابی روح بیدار کی جائے جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وطن عزیز میں اللہ کے کلمے کی سربلندی کیلئے بڑی سے بڑی رکاوٹ عبور کر لینے کی ہمت دے اور یہ کام یعنی اسوہ صدیق کو اجاگر صرف ایک دن کی تعطیل کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر تو مسلسل کام کرتے رہنے کی ضرورت ہے ورنہ تو پھر ہمارے دینی ذوق کی تسکین اس وقت مکمل ہو گی جبکہ تمام اکابرین کیلئے عام تعطیل کا اعلان کر دیا جائے۔OO

آپ کی رائے

ندائے خلافت (۱۳ / دسمبر) میں عبدالودود خان صاحب کا خط اور انگریزی میں ایک مضمون کے۔ایم۔اعظم صاحب کے ایک مضمون (ندائے خلافت) کے حوالے سے شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے سود کی حرمت سے متعلق بہت سی قیمتی باتیں درج کی ہیں۔ خاص کر ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب "اسلام کا معاشی نظام" سے ایک اقتباس جس کا اضافہ ادارے نے اپنی طرف سے کیا ہے' میرے نزدیک اس موضوع پر بنیادی اہمیت کی حامل ہے جس کے بعد گذشتہ دو تین سال میں سود کے بارے میں اتنا کچھ شائع ہو چکا ہے کہ شاید ہی مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہو یہاں تک کہ ندائے خلافت' میثاق اور حکمت قرآن میں بھی خاصا مواد آتا رہا ہے۔ یہ بات بڑی خوش آئیند ہے کہ جہاں اس وقت عالمی سطح پر سودی معیشت کا غلبہ اس درجے ہمہ گیر ہے کہ عملاً کسی ایک انسان کے لئے بھی مکمل طور پر اس سے فرار ممکن نہیں رہا وہاں کم تعداد میں سہی' مگر ایسے مسلمان بہرحال موجود ہیں جو اسے کسی طور پر بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں اور جلد سے جلد اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ چھٹکارا کیسے ہو؟۔ کے۔ایم۔اعظم صاحب نے جس بات کی طرف توجہ دلائی تھی وہ شاید یہ تھی کہ پورے نظام کو بدلے بغیر سود کے خاتمہ سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ ہمارے ہاں حدود آرڈیننس زکوٰۃ آرڈیننس اور دوسرے ایسے اقدامات کا جس ڈھٹائی کے ساتھ مذاق اڑایا گیا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ بات سمجھ آنے والی ہے کہ حکومت سود پر اگر پابندی عائد کر بھی دے گی تو اس کا نتیجہ دین کے ساتھ ویسا ہی استہزاء ہو گا۔ لہٰذا اس کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے ایک ایسی منظم اور موثر طاقت کی فراہمی' جو سب سے پہلے اپنے کردار سے یہ ثابت کرے کہ اس کے پیش نظر صرف اور صرف حصول رضائے الٰہی اور نجات اخروی ہے اور اس کے لئے وہ اپنا تن' من' دھن قربان کرنے کو تیار ہے۔ گویا کہ ایک امیر کی قیادت میں ایک مضبوط اور منظم جماعت درکار ہے جو اسلام کے حقیقی نفاذ کے لئے بھرپور جدوجہد کرے۔

یہ کام درحقیقت نہ تو آسان ہے اور نہ ہی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی مانند' نعروں اور جلوسوں سے بھیڑ بھاڑ اکٹھی کر کے آن واحد میں سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ یہ کام محنت طلب' وقت طلب اور وقت طلب ہے۔ ہمیں اس بارے میں غور کرنا چاہئے اور سنجیدگی سے اس کا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا فی الواقع ہم یہ کام کرنے کو تیار ہیں؟ اگر ہم صرف یہ امیدیں لئے بیٹھے رہے کہ یہ اہم کام کوئی دوسرا آ کر کر دے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ جو بھی ہو رہا ہے اسی کو قبول کر لیں۔

ابن صالح' لاہور

بقیہ تجزیہ

کے مختلف ادوار میں آپس کی محاذ آرائیوں سے ہی تباہ ہوئے ہیں اور اس بار بھی یہ تفرقہ اپنی انتہا پر پہنچا تو بربادی کے سوا ہمارا کوئی انجام نہیں ہوگا۔ ○○

بقیہ حضرت عمرؓ کا اجتہاد

اب کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے جو فتح ہو۔ اللہ نے ان کے اموال' زمینیں اور کاشتکار ہمیں بطور غنیمت عطا کر دیئے ہیں۔ ان لوگوں کو غنیمت سے جو مال ملا تھا اسے تو میں نے اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے' اور پانچواں حصہ نکال کر اسے اس کے متعینہ مصارف میں تقسیم کر دیا ہے۔ بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کردوں اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کردوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے (ایک مستقل) "فے" کا کام کرے گا جس کی آمدنی میں فوجی' کم سن افراد اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ دیکھئے! ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے علاقے' جیسے شام' الجزیرہ' کوفہ' بصرہ' مصر' ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا؟"

یہ سن کر سب نے کہا کہ:

"آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے' اور جو رائے قائم کی وہ بہت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لئے بطور تنخواہ کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے"

آخر میں آپ نے فرمایا: "اب مجھ پر معاملہ واضح ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کون ایسا ماہر اور دانشمند ہے جو ان زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کردے اور کاشت کاروں پر ان کی برداشت کے مطابق خراج تجویز کردے۔" لوگوں نے بالاتفاق عثمان بن حنیف کا نام پیش کیا اور کہا: "آپ ان کو اس کام کا ذمہ دار بنا کر بھیج سکتے ہیں کیونکہ یہ صاحب فہم و بصیرت اور تجربہ کار انسان ہیں۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا تاخیر ان کو علاقہ سواد کی پیائش کے کام پر مقرر کر دیا۔

بقیہ قرارداد مقاصد

معاشی مسائل کا عدالت میں طے ہونا مشکل بتایا گیا ہے ان سب کا آرٹیکل دو الف سے پہلے بھی طے کرنا عدالت کا کام تھا۔ سیاسی جماعتوں اور الیکشن سے متعلق قوانین پر ہمیشہ عدالتیں فیصلہ دیتی رہی ہیں۔ آئین کے تحت عائد پابندی کی میعاد ختم ہوجانے کے بعد اب تمام مالی اور مالیاتی امور بھی عدالتوں میں چیلنج کئے جاسکتے ہیں۔ سب سے زیادہ نازک اور پیچیدہ مسئلہ بینک کے سود کا ہے۔ وہ پہلے ہی عدالت میں موجود ہے۔ جہاں تک آئین کا تعلق ہے۔ آرٹیکل ۲۰۳ ڈی کے تحت عدالت کو جو وسیع اختیارات حاصل ہیں انہیں استعمال میں لاکر سپریم کورٹ قزلباش وقف کیس میں متعدد آرٹیکلز بمعہ آرٹیکل ۲۵۳ کے خلاف فیصلہ دے چکی ہے۔ اس کے باوجود کہ اس سے قبل اس طرح کے ایک کیس میں سپریم کورٹ اس کے بر عکس فیصلہ دے چکی تھی۔ بی زیڈ کیکاؤس کیس میں سپریم کورٹ کا موقف یہ تھا کہ "اسلام کے اصول نہ تو کوئی پوشیدہ ہیں' نہ ہی ناقابل فہم یا ناقابل عمل۔ انہیں ہر طرح کے حالات میں اور کسی بھی موقع پر نافذ کرکے روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ حالات اور موقع کی مناسبت سے ان احکامات کی روح کو سمجھتے ہوئے ان کی تشریح کی جائے۔"

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سپریم کورٹ کسی قوم کے عقل و شعور کی علامت ہوتی ہے اس کے بارے میں تو ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ یہاں کوئی من مانا اور اول بدل کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے حاکم خان کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کو کسی طرح بھی اطمینان بخش نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اصل مسئلے کو سمجھا جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ دل میں یہ یقین نہیں ہے کہ اسلام واقعتاً موجودہ دور کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت میں تو ہم اس خوف میں مبتلا ہیں کہ اگر اسلامی قوانین کو بلا استثنیٰ اور غیر مشروط طور پر کہیں نافذ کر دیا گیا تو کوئی بری آفت نہ بھی آسکی تو اس سے ترقی کے راستے تو لازماً مسدود ہو کر رہ جائیں گے۔ لہٰذا جونہی کوئی فیصلہ کن مرحلہ آتا ہے' ذہنوں میں چھپا ہوا ڈر اور خوف ظاہر ہو جاتا ہے' چنانچہ اس عدم اعتماد اور ذہنی ہم آہنگی کے فقدان کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم قول و فعل کے تضاد کے شدید بحران میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ ایک نظریاتی ریاست کے تقاضے پورے کرنا تو دور کی بات ہے ہم سے اتنا نہیں ہو سکا کہ برطانیہ کی براہ راست غلامی سے نجات پانے کے ساتھ ان قوانین و ضوابط اور طور طریقوں کو بھی خیرباد کہہ سکتے جو ہمیں غلام بنائے رکھنے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ جیسا کہ امریکہ میں ہوا۔ یہاں تک کہ اگر برطانیہ میں سڑک کے بائیں طرف چلنے کا رواج تھا تو امریکہ میں اس کے برعکس دائیں طرف چلنا اختیار کیا گیا۔

ہم اگر فی الواقع اپنا کوئی باوقار قومی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو موجودہ سارے نظام کو بدل کر نئے سرے سے سفر کا آغاز کرنا ہوگا۔

استحکامِ پاکستان
اور مسئلہ سندھ
ہر دردمند پاکستانی کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے
قیمت روپے
ملنے کا پتہ: انجمن خدام القرآن
۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

سیرتِ نبوی کے ضمن میں دو عظیم تحفے
ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے — اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ
رسول کامل
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ' اور
فرائض دینی اور اسوۂ رسول
سورۃ احزاب کے رکوع ۳٫۲ کی روشنی میں

دوسرے دن تمام اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔

پھر وہ گھڑی بھی آن پہنچی جس کے رفقاء تنظیم اسلامی و اہلیان پشاور منتظر تھے۔ سٹیج پر امیر محترم' صدر انجمن خدام القرآن سرحد اقبال صافی صاحب اور بائیں جانب ناظم بیت المال انجمن خدام القرآن و تنظیم اسلامی پشاور تشریف فرما تھے۔ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے اجلاس کی کارروائی کچھ تاخیر سے شروع ہوئی۔ قاری مظفر اللہ ظہیر صاحب نے قرآن پاک کی مختلف منتخب آیات کی تلاوت سے تقریب کا آغاز کیا جس کے بعد امیر محترم نے پہلے دن کی نشست کے خطاب کا آغاز فرمایا۔ موضوع تھا "موجودہ مایوس کن حالات میں عالمی نظام خلافت کی نوید جانفزا"۔ آپ نے سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ کے حوالے سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور قرآن و حدیث کی واضح پیش گوئیوں کے حوالے سے عالمی نظام خلافت کے غلبے کی بشارتیں سنائیں۔ آپ نے موجودہ عالمی حالات کا ایک گہرا تجزیہ پیش کیا' دنیا کی واحد عالمی طاقت پر یہود کی گرفت کا تذکرہ کیا اور امت مسلمہ کے زوال کے اسباب گنوائے۔ انہوں نے احادیث مبارکہ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے امت مسلمہ پر عموماً اور عالم عرب پر خصوصاً آنے والے عذاب کی مختلف صورتوں کو واضح کیا۔ ذلت و مسکنت جو کبھی یہودیوں کا مقدر تھی' آج مسلمان اس کی جیتی جاگتی تصویر ہیں لیکن ساتھ ہی آپ نے پانچ ادوار والی حدیث کے حوالے سے یہ خوشخبری سنائی کہ انشاء اللہ پانچویں دور کی آمد آمد ہے اور برعظیم پاک و ہند میں امت مسلمہ کی چار سو سالہ تاریخ اور اس میں احیائی عمل سے اس بات کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ اس کا آغاز اسی خطہ سے ہوگا۔

۱۴ دسمبر کا موضوع تھا "خلافت کی اصل حقیقت اور عہد حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی و دستوری اور معاشی و معاشرتی خاکہ"۔ آپ نے عوامی جمہوریت کی نفی کرتے ہوئے اسے غیر اسلامی قرار دیا اور حاکمیت اور خلافت کے فرق کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اولاً حاکمیت صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے جبکہ انسان کے لئے خلافت ہے۔

دوسری چیز کتاب و سنت کی بالادستی ہے اور تیسری چیز جس سے جمہوریت خلافت میں تبدیل ہو جاتی ہے یہ ہے کہ قانون سازی میں غیر مسلموں کو شریک نہیں کیا جائیگا۔ انہوں نے کہا کہ صدارتی نظام' نظام خلافت سے قریب تر ہے۔ اسی طرح نظام خلافت کے معاشی نظام کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر تین چیزیں موجودہ سرمایہ داری نظام سے نکال دی جائیں تو وہ اسلامی بن جائیگا۔ جن میں سے پہلی چیز ربوٰ ہے' دوسری جوا اور سٹہ اور آخری جاگیرداری ہے اور جاگیرداری کا خاتمہ صرف اور صرف اجتہاد کی شمشیر فاروقی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ دور نبوی اور خلافت راشدہ کے فنڈامنٹلزم کو اپنا کر روح عصر کے تقاضوں کو بھی ان میں سمونا ہوگا اس لئے کہ حالات میں بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اب جہاں یہ ضروری ہے کہ روح دین بھی برقرار رہے اور روح خلافت بھی' وہاں یہ بھی لازم ہے کہ عصر حاضر کے تمدنی ارتقا کا بھی اسمیں لحاظ رکھا جائے۔ وقت کی کمی کے باعث اسلام کے معاشرتی نظام کے موضوع پر گفتگو نہ ہو سکی جس کو دوسرے دن کے لئے موخر کردیا گیا۔

۱۵ دسمبر کا دن اس لحاظ سے اہم تھا کہ علمی پہلو سے تو گفتگو مکمل ہو چکی تھی اور موجودہ دور میں خلافت کے نظام کا خاکہ بھی سامعین کے ذہنوں میں موجود تھا لیکن آج کا موضوع اس اعتبار سے اہم اور دلچسپ تھا کہ دور حاضر میں خلافت کا نظام آئے گا آخر کیسے؟ ہاں آج بھی اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دکھائی دے رہا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے پچھلے دن کا قرض چکاتے ہوئے اسلام کے معاشرتی نظام میں مرد اور عورت کے باہمی تعلق اور خاندان کی اہمیت کی وضاحت سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس قول کے حوالے سے کہ "یہ نظام دور اول میں جس طرح قائم ہوا تھا آخری دور میں بھی اسی طرح قائم ہوگا" نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اخذ کردہ طریقہ کار کی وضاحت فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ نظام خلافت کے نفاذ کے لئے ایک ایسی منظم انقلابی جماعت کی ضرورت ہے جس کے افراد شعوری ایمان سے مالا مال ہوں اور شعوری ایمان کا منبع و سرچشمہ صرف اور صرف قرآن مجید ہے اس کے لئے معاشرے میں ایمان بالقرآن کا غلغلہ بلند کرنا ہوگا۔ پھر یہی لوگ اپنی ذات اور اپنے دائرہ اختیار میں شریعت اسلامی کو نافذ کریں اور اس کے لئے اپنے نفس کے خلاف بھی جہاد کریں' بگڑے ہوئے معاشرے سے بھی مردانہ وار کشمکش کریں' دوسروں کو بھی مقدوری دعوت دیں اور ایک امیر کے تحت بیعت سمع وطاعت کے ساتھ ایک طاقت بنیں اور جب تعداد اور سیرت و کردار کے اعتبار سے معتدبہ قوت فراہم ہو جائے اور اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اب اقدام کا وقت آگیا ہے تو یہ طاقت باطل نظام کو چیلنج کرے گی۔

انہوں نے پیش نظر کام کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایک تو دونوں جانب مسلمان ہیں اور دوسری حکومتی فریق کے پاس افرادی قوت اور اسلحہ کی بھرمار ہے جبکہ عوام نہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تمدن کی ترقی نے ریاست اور حکومت میں فرق و امتیاز کا جو تصور دیا ہے اس سے اب یہ انقلابی جنگ دو طرفہ نہیں بلکہ یکطرفہ ہوگی اور اس کے لئے نہی عن المنکر باللہ کے اصول کے تحت میدان میں نکلا جائیگا۔ انہوں نے مکی دور کو اپنے لئے نمونہ قرار دیا اور کہا کہ ماضی قریب میں ایرانیوں نے قربانی دے کر اس طریق کار کا عملی نمونہ پیش کردیا ہے۔ اختتام خطاب پر شرکاء کی تواضع "کشمیری چائے" سے کی گئی۔ نماز عشاء کے وقفہ کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ گمان غالب یہ تھا کہ بہت کم تعداد اس نشست میں شریک ہوگی لیکن تقریباً چار سو کے لگ بھگ افراد نے شرکت کی۔ سامعین کا ذوق و شوق دیدنی تھا اور سوالات بھی کثیر تعداد میں تھے جو زیادہ تر نظام خلافت سے متعلق تھے لیکن ایک محدود وقت میں یہ سوالات نہیں نمٹائے جاسکتے تھے۔

چوتھے روز یعنی ۱۶ دسمبر کو رفقاء تنظیم نے اپنے امیر سے ملاقات کی۔ تمام رفقاء نے اپنا تعارف کرایا۔ امیر محترم نے رفقاء پر زور دیا کہ جن لوگوں نے اپنے دینی فرائض کو سمجھ کر تنظیم میں شمولیت اختیار کی ہے ان کے لئے لازم ہے کہ اپنے جان و مال اور اوقات کی قربانی دیں تاکہ اس تحریک کو آگے بڑھایا جاسکے۔ انہوں نے رفقاء کی معاشی مشکلات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اوقات فارغ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت میں اس کے لئے برکت ڈال دیتا ہے۔ انہوں نے تربیت گاہوں کی افادیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جن لوگوں نے بھی تنظیم اسلامی کو اپنایا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تربیت گاہوں میں شرکت کریں

بعد میں امیر محترم نے تمام رفقاء کے ساتھ مل کر ناشتہ کیا جس کے بعد امیر محترم تو لاہور کے لئے عازم سفر ہوئے اور رفقاء نے ایک نئے جذبے' امنگ اور ولولے کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کا رخ کیا۔ ○○

امریکہ سے ایک خط

شاہنواز زیدی

کتنی بری بات ہے
کتنی بری بات ہے
جنگ و جدل کا فروغ
نسل کشی کا جنوں
کتنی غلیظ چیز ہے
کتنی بری بات ہے
دیکھئے یہ شہر ہے 'بوسنیا کے قریب
جس میں زمیں بوس ہیں
کتنے مکان و مکیں
بم کے دھماکوں سے سب
مردہ و پامال ہیں
چاروں طرف موت ہے
چاروں طرف خاک و خوں
نسل کشی کا جنوں
کتنی بری چیز ہے
کتنی بری بات ہے
اپنے امیر اور وزیر
سینیٹر اور صدر سب
کہتے ہیں یہ ظلم ہے
کرنا نہیں چاہئے
اس جگہ لوگوں کو یوں
مرنا نہیں چاہئے
پر یہ بتائیں بھلا اس کا کوئی کیا کرے
یہ بھی تو دہشت پسند قوم کے افراد ہیں
سارے مسلمان ہیں
یہ بھی شرافت سے تو شر نہیں چھوڑتے
ہار نہیں مانتے
لیجئے یہ دیکھئے
آہنی تاروں کے بیچ
چند اسیروں کے جسم
سوکھے ہوئے بھوک سے
سہمے ہوئے موت سے
ہڈیاں نکلی ہوئیں
صورتیں بگڑی ہوئیں
نازیوں کے ظلم کی 'جس طرح آماجگاہ
دیدۂ عبرت نگاہ
پر کسے معلوم ہے
دوسری جانب بھی کچھ ایسے ہی حالات ہوں!
ایسے ہی مفلوک ہوں
ایسے ہی دن رات ہوں!
آٹھ سو بچوں کی موت
بھوک کے باعث ہوئی
اتنے ہی کچھ روز میں
اور بھی مر جائیں گے
برف میں چلتے ہوئے
روتے ہوئے قافلے
گھر سے نکل تو چلے
پر یہ کدھر جائیں گے.....؟
کتنی بری بات ہے
کتنی بری بات ہے
امن کی افواج نے چاہا بہت تھا کہ جائیں
مرنے سے پہلے انہیں
کھانا ہی پہنچا کے آئیں
راستے دشوار تھے
اڈے جہازوں کے بھی سارے ہی بیکار تھے
سربیا افواج نے ہم کو اجازت نہ دی
ایک سپاہی ہمیں
رہ میں گنوانا پڑا
لوٹ کے آنا پڑا
ہمارے پاس کئی امن تجاویز ہیں
پر کوئی سنتا بھی ہو!
کوئی سمجھتا بھی ہو
چند مہینوں تلک 'دونوں کو بلوائیں گے
پھر انہیں سمجھائیں گے
پھر انہیں بتلائیں گے
جنگ و جدل کا فروغ
نسل کشی کا جنوں
کتنی غلیظ چیز ہے
کتنی بری بات ہے
کتنی بری بات ہے
کتنی بری بات ہے

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور)

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تازہ تالیف

سابقہ اور موجودہ

مسلمان اُمتوں کا ماضی، حال اور مستقبل

اور

مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری

☆ صفحات ۱۷۶ —— ☆ سفید کاغذ —— ☆ دیدہ زیب کور

قیمت:۔/۳۶

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن: ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: ۸۵۶۰۰۳ / ۸۵۶۰۰۴